جنوری ۱۹۹۱ء

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
مُلتان

فطرت کی پُکار

اے عزیزو! آنکھیں بند کر لی جائیں تو خطرات ٹل نہیں جاتے
ہمّت ہار کر بیٹھ جاؤ تو کام بن نہیں جاتے۔
دیکھو! فطرت پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہمّت کا حامی خدا ہے
بے خبر قوم کی بربادی یقینی ہے فطرت کی اس پکار کو سننا
چاہو تو سن لو، عمل کرنا چاہو تو کر لو، حُقّے پر بیٹھ کر دھواں
اُڑانے والی اور بیٹھے بیٹھے بے سُود آہیں بھرنے والی قوم
کامیابی کے قریب نہیں جا سکتی۔ اگر قُدرت کے قانون کی
خلاف ورزی میں ہماری خُوشی ہے تو پھر اپنی بدنصیبی
کا شکوہ کیوں؟
از ماست کہ بر ماست۔

مُفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ
خطبہ صدارت احرار کانفرنس قصور
یکم دسمبر ۱۹۴۱ء

میرا کام ختم نہیں ہوگا

میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین کا دور شروع ہو جائے گا اور سرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانۂ مراد پر جا بیٹھے گا۔[1]

میرا مقصود یہ ہے کہ دینِ محمدیؐ کی نصرت میں اپنے مولا کا حکم بجا لاؤں جو مالکِ مطلق اور بادشاہِ حق ہے۔ خدائے عزوجلّ گواہ ہے کہ اس ہنگامہ آرائی سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ نہ اس میں کوئی نفسانی غرض شامل ہے۔ ایسی غرض نہ کبھی زبان پر آئی ہے، نہ دل میں گذری ہے۔ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لئے جو کوشش کسی صورت میں بھی ممکن ہوگی۔ ضرور بجا لاؤں گا، اور جس تدبیر کو بھی مفید پاؤں گا اسے لازماً اختیار کروں گا۔ ان شاء اللہ زندگی کے آخری سانس تک اسی سعی میں مشغول رہوں گا، پوری عمر اسی کام میں صرف کردوں گا، اور جب تک زندہ ہوں اس مقصد کے لئے تگ و دو جاری رکھوں گا۔ جب تک سر گردن پر سلامت ہے اس میں یہی سودا سمایا رہے گا۔ اور جب تک پاؤں تابِ رفتار سے محروم نہیں ہو جاتے اسی راستے پر چلتا جاؤں گا۔[2]

لوگ کہیں گے کہ سید احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی۔ لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض اور سرحد کا غدر نہ جائے گا۔ میرا کام ختم نہیں ہوگا![3]

[امیر المومنین، امام المجاہدین، مجدد اعظم
حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ]

سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا غلام رسول مہرؒ ص [1] ۲۵۲، [2] ۳۶۴، [3] ۸۱۲

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

رجسٹرڈ نمبر، ایل ۸۷۵۵

جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
جنوری ۱۹۹۱ء
جلد ۲ ● شمارہ ۱

رئیس التحریر : ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری
مدیر : سید محمد کفیل بخاری

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
مولانا محمد عبداللہ مدظلہ
مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ
مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

رفقاءِ فکر

سید عطاء المؤمن بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری
سید عبدالخبیر بخاری
سید محمد ذوالکفل بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید خالد مسعود گیلانی
عبداللطیف خالد ● اختر جنجوا
عمر فاروق عمر ● خادم حسین
قمر الحسنین ● بدر منیر احرار

زرِ معاونت اندرونِ ملک

فی پرچہ : ۶/۰ روپے
سالانہ : ۶۰/۰ روپے

بیرونِ ملک

سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا، امریکہ، برطانیہ، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، برما، نائیجیریا، جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ ۳۰۰/۰ روپے سالانہ پاکستانی

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ [شعبۂ تبلیغ] عالمی مجلسِ احرارِ اسلام

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان (پاکستان) فون : ۲۸۱۳۰

ناشر : سید محمد کفیل بخاری، پرنٹر : تشکیل احمد اختر، مطبع : تشکیل نو پرنٹرز پرانی غلہ منڈی ملتان، مقامِ اشاعت : دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

آئینہ

مضمون		صفحہ
دل کی بات	مدیر	۳
آخری حکمران صحابیؓ	شاہ بلیغ الدین	۵
نعت	مولانا عبدالکریم صابر	۸
جادۂ اعتدال	مولانا عبدالحق چوہان	۹
منقبت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	جناب پروفیسر عاصی کرنالی	۱۵
خطبۂ تعزیت حضرت علی رضی اللہ عنہ	مدیر	۱۶
سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	مولانا حکیم محمود احمد ظفر	۲۰
مسافرینِ آخرت	ادارہ	۲۳
معاصر سے انتخاب	مدیر	۲۴
زبان میری ہے بات اُن کی	خادم حسین	۲۵
جنوں اور انسانوں سے خطاب	خاموش مبلغ	۲۸
گوشۂ افضل حق رحمہ اللہ	مدیر	۲۹
عکسِ تحریر مفکر احرار، چودھری افضل حق رحمہ اللہ		۳۰
عکسِ تحریر، مولانا ابوالکلام آزادؒ		۳۱
ذکرِ رفیق	شیخ حسام الدینؒ	۳۲
چودھری افضل حق سے میری پہلی ملاقات،	شورش کاشمیریؒ	۳۷
چودھری افضل حق میری نگاہ میں	مولانا مظہر علی اظہر	۴۳
چودھری افضل حق اور حقہ نوشی	الحاج محمد حسن چغتائی مدظلہ	۴۶
پیکرِ عزیمت	مولانا غلام رسول مہر	۴۸
منظوم خراجِ عقیدت		۵۲

اختر ہوشیارپوریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، شریف جالندھریؒ، علامہ انور صابریؒ، طاہر شادانیؒ، مولانا عظامیؒ
افق امروہویؒ، صوفی غلام مصطفےٰ تبسمؒ، سید احمد اعظمیؒ، ساحر لدھیانویؒ، حفیظ رضا پسروری
سیف الدین سیفؒ، سید عبدالحمید عدمؒ، احسان دانشؒ، وارث کاملؒ، منصور قیصرؒ، فیض احمد فیض، لطیف انور گورداسپوریؒ

۳

دل کی بات

سندھ کے رافضی وزیر اعلیٰ جام صادق نے "قارورۂ عجم" کے خمار میں بدمست ہو کر کہا ہے کہ "تھوڑی سی پیتا ہوں خدا کے سوا کسی کے سامنے جوابدہ نہیں" اپنے اس شرمناک بیاشن کو انہوں نے اظہار حقیقت سے تعبیر کیا ہے۔ قوم کتنی ہی بے عمل کیوں نہ ہو جائے مگر ابھی کچھ اقدار کا لحاظ باقی ہے ایسے اعمال سیہ کو کبھی مستحسن نہیں سمجھا گیا۔ بلاشبہ اس جذبہ خیر کی بقاء میں دین پسند حلقوں کی شبانہ روز اور مسلسل محنت کو بڑا دخل ہے۔ جام صادق کے اس بیان پر ملک بھر میں شدید رد عمل کا اظہار ہوا ہے مگر ارباب حکومت کو سانپ سونگھ گیا ہے انہوں نے ایسی چپ سادھی گویا قبروں سے شرط باندھ رکھی ہے۔ "جام کاذب" نے کوئی نئی بات نہیں کی انہوں نے تو اپنے پیرو مرشد ذوالفقار علی بھٹو کا ہی قول دہرایا ہے۔ لیکن اس بیان پر آئی جے آئی کے مسلم لیگی حکمرانوں کے سر شرم سے ضرور جھکنے چاہئیں۔ کہ نفاذ اسلام کا دعویٰ کرنے والی حکومت کے ایک وزیر اعلیٰ نے عالم اسلام اور دنیا کے دیگر ممالک میں نہ صرف پاکستان کا وقار مجروح کیا ہے بلکہ دین اسلام کا کھلم کھلا مذاق اڑایا ہے۔ ہر منصب کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، "جام" صوبہ کے وزیر اعلیٰ ہیں، وہ ٹیکسی ڈرائیور نہیں۔ اس حیثیت سے وہ قوم کے سامنے اپنے اعمال کے جوابدہ بھی ہیں، حکومت اس معاملہ کو غیر معمولی سمجھ کر فوری نوٹس لے، ایسے بااختیار لوگوں کی بدزبانیوں سے معاشرے کے لُچوں اور شُہدوں کو زبان ملتی ہے اور ان کے حوصلے بڑھتے ہیں۔ ایک بدزبان کے منہ میں لگام دے دی جائے تو اس کے حاشیہ نشینوں کے قدم بھی رک جاتے ہیں۔ پاک سرزمین کا ہی حوصلہ ہے جو سکندر مرزا، بھٹو اور یحییٰ جیسے شرابیوں کا بوجھ اٹھا چکی ہے

دسمبر ۹۱ کے آخری عشرہ میں خانۂ فرہنگ ایران لاہور کے ڈائریکٹر جنرل صادق گنجی قتل کر دیئے گئے۔ چونکہ مقدمہ عدالت میں زیر سماعت ہے اسلئے اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ قاتل کون ہیں؟ لیکن اس کے محرکات و اسباب اور اس واقعہ کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال پر ارباب قضاء و قدر کو متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اخبارات کے ذریعہ منظر عام پر آنے والی باتوں سے صرف نظر ممکن نہیں اس سے قبل پاکستان میں جتنے سیاسی قتل ہوئے نہ تو آج تک کسی کے قاتل پکڑے گئے اور نہ سازشیں منظر عام پر آئیں۔ یہاں لیاقت علی خان سے، ضیاء الحق تک اور مولانا شمس الدین سے مولانا حق نواز جھنگوی تک سب کے لاشے لاوارث قرار دیئے گئے۔ صادق گنجی پاکستان میں ایک ہمسایہ ملک کے سفارت کار تھے۔ کسی بھی ملک کا سفارتکار قابل احترام ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داریوں کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے وہ اپنے ملک کے مفاد کا تحفظ کرتا ہے اور میزبان ملک کے ضوابط کی پابندی کرتا ہے۔ لیکن صادق گنجی کے متعلق جو باتیں اخبارات کی وساطت سے سامنے آ رہی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ پاکستان میں سنی شیعہ فسادات کے پیچھے سرگرم تھے۔ خانہ ہائے فرہنگ ایران پاکستان میں شیعہ مکتب فکر کو ایرانی انقلابی خطوط پر منظم کرنے کیلئے قائم کئے گئے۔ جس کے ذریعہ شیعہ لابی کی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر سطح پر ان کی ہمہ قسم کی امداد بھی کی گئی جو ہنوز جاری ہے۔ ان باتوں کی حقیقت حکومت سے بھی پوشیدہ نہیں۔ مگر یہ تو سب جانتے ہیں کہ ان کی سرگرمیاں سفارت کار کی حیثیت سے کم اور پاکستان میں ایک مخصوص گروہ کے سرپرست کی حیثیت سے زیادہ تھیں۔

بے گناہ قتل ہر معاشرے میں ناقابل معافی جرم ہے صادق گنجی کے قتل کی ہر مکتبہ فکر نے مذمت کی ہے۔ غفلت کی اصل ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کہ اس نے غیر ملکی سفراء پر کوئی چیک کیوں نہیں رکھا۔ وہ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اور جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں سے کسی کے دینی حقوق پامال ہوں یا جذبات مجروح مگر انہیں روکنے والا کوئی نہیں۔ خاص طور پر ایران اور پاکستان کے تعلقات شروع سے ہی حساس نوعیت کے ہیں۔ اور اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان ایران سے بہت زیادہ مرعوب اور خوفزدہ ہے۔ مثلاً "گنجی" کے قتل کے بعد ایرانی نائب وزیر خارجہ نے پاکستان میں بیٹھ کر اپنے بیان کے ذریعہ اس قتل کی ذمہ داری مؤمنین اہل سنت کی ایک تنظیم پر ڈال دی اور اس تنظیم پر پابندی کا مطالبہ بھی کیا۔ ان کا یہ الزام پاکستان کے اندرونی معاملات میں واضح مداخلت اور عدلیہ پر عدم اعتماد کا کھلا اظہار تھا مگر حکومت نے یہ سب کچھ خاموشی سے سن لیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ حکومت کو بہر حال اپنا رویہ بدلنا چاہیئے۔ غیر ملکی سفیروں کی نقل و حمل پر مکمل نگرانی ہونی چاہیئے۔ اور انہیں

اپنے دائرہ کار سے تجاوز کی ہرگز اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ تاکہ وہ پاکستان میں آکر اپنے سفارتی فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں نہ کہ اپنے مخصوص نظریات کے مبلغ بن کر سواد اعظم کے مسلمہ دینی عقائد کی پامالی کا فریضہ بد ادا کریں۔ اسی صورت میں ہی وطن عزیز امن و آشتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اور باہمی خیر سگالی کے جذبات جنم لے سکتے ہیں۔

ہمارے ملک کے سیاست دان بھی عجیب ہیں۔ اقتدار میں ہوں تو اپنی اوقات بھول جاتے ہیں۔ انہیں ہر چیز صحیح دکھائی دیتی ہے۔ محروم اقتدار ہوں تو سارا نظام الٹ نظر آتا ہے اور حصول اقتدار کی ہوس میں اندھے ہوں کر ملکی و قومی مفاد کو داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ گذشتہ چوالیس برس ان کے قول و عمل پر شاہد عدل ہیں۔ ان کا کوئی مذہب ہے نہ نظریہ۔ اقتدار اور جائز و ناجائز مفادات کا تحفظ ان کا مقصد حیات ہے۔ وزیر اعظم حاجی محمد نواز شریف انتخابات میں نفاذ اسلام اور شریعت بل پر ہی گفتگو پسند فرماتے تھے۔ اب نیا شریعت بل تیار کرانے میں مصروف ہیں۔ معلوم نہیں اسکا کیا حشر ہوگا۔ انہوں نے بھارتی صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بنیاد پرست نہیں ہوں، وزیر اعظم صاحب! ہم اپنی دینی اعتقادی اور تہذیبی نسبت کے اعتبار سے بنیاد پرست ہیں اور اس سے سرمو انحراف کو بے دینی سمجھتے ہیں۔ یورپ کے مشرکوں اور کافروں نے اسلام کی عالمگیر دعوت کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خوفزدہ ہو کر "بنیاد پرستی" کی اصطلاح کو گالی کے طور پر استعمال کیا ہے۔ آپ یورپین معاشرے کے نمائندہ نہیں۔ مسلمانوں نے آپ کو مسلمان سمجھ کر اپنے ووٹوں سے اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان کیا ہے۔ آپ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ شعوری طور پر پاکستان کے مسلم معاشرے کو یورپ کے کافرانہ معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیئے آپ کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ پاکستان اسلام کیلئے بنا تھا۔ یا نہیں ہم اس بحث میں الجھے بغیر بلا خوف کہتے ہیں۔ کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے اسلام ہمارا دین ہے۔ اس لحاظ سے ہم بنیاد پرست ہیں۔ اسلام کے علاوہ یہاں کسی نظام اور اس کے ایجنٹوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔

بے نظیر برسر اقتدار تھیں تو سارے ملک کی نمائندہ تھیں۔ اقتدار سے محروم ہوئیں تو صرف سندھ کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ "صدر، وزیر اعظم، چیف آف آرمی سٹاف اور چیف جسٹس کوئی بھی سندھی نہیں"۔ جب وہ برسر اقتدار تھیں تو کسی پنجابی نے سندھ کے حوالے سے یہ تعصب نہیں پھیلایا۔ پاکستان کے چار وزیر اعظم سندھی رہے۔ یہ شرف صرف بھٹو خاندان کو حاصل ہے۔ جس نے حصول اقتدار کیلئے تعصبات کو ہوا دیکر مشرقی پاکستان قربان کیا۔ اب سندھ میں وہی صورت حال پیدا کی جارہی ہے۔ مسٹر جتوئی کے خیال میں گذشتہ انتخابات میں بزرگ سیاست دانوں کو سازش کے تحت ہرایا گیا ہے۔ جبکہ انتخابات جتوئی صاحب کی حکومت نے کرائے۔ اور وہ خود قوم سے اپنے آخری خطاب میں انتخابات کو منصفانہ قرار دیکر دھاندلی کے الزام کو مسترد کر چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر جتوئی "سی او پی" کے حوالے سے دوبارہ وزیر اعظم بننے کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے زبردست مہم بھی چلائی سفارتیں بھی کارگر نہ ہوئیں۔ اور وہ "جی ایچ کیو" کا اعتماد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہوگئے۔ یوں وہ حسین خواب بکھر کر رہ گئے۔ جنکو شرمندہ تعبیر کرنے کیلئے انہوں نے دشت سیاست کی سیاحی میں سب کچھ لٹا دیا تھا۔ "بزعم خود" بزرگ سیاست دانوں۔ کو سازش کے تحت ہرایا گیا ہے تو یقیناً سازش جتوئی صاحب کے علم میں ہوگی یا وہ خود اس سازش میں شریک رہے ہوں گے۔

اگر دھاندلی ہوئی ہے تو کیا جتوئی صاحب کی آخری تقریر کو جھوٹ تصور کیا جائے؟ جتوئی صاحب اب اپنے شکست خوردہ پرانے ساتھی شکاریوں کی مدد سے کوئی نیا جال بچھانا چاہتے ہیں۔ جبکہ ان کی "عظمت رفتہ" کی بحالی کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔ ہمارے ملک کے سیاست دان ہی اصل قومی مجرم ہیں۔ جن کی بے اعتدالیوں، مفاد پرستیوں اور منافقت نے ملک میں کبھی امن قائم نہیں رہنے دیا۔

جس ملک کے سیاست دانوں کے اور جمہوریہ ہوں ان پر اعتماد کرنا بجائے خود ایک فریب ہے اللہ تعالیٰ پاکستان کو ان سیاست دانوں سے جلد نجات دے (آمین)

شاہ بلیغ الدین

آخری حکمران صحابیؓ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — تمام امتوں میں تم سب سے بہتر ہو!
(صحابہ کرامؓ پہلے مصداق ہیں۔)

خادم کو بلا کر حکم دیا کہ — حضرت ابو حازم کے پاس جاؤ، ان سے میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ اپنے کھانے میں سے کچھ مجھے بھیج دیں! تھوڑی دیر میں خادم واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں مٹی کی ایک سکوری تھی اور اس میں کچھ دلیہ پڑا ہوا تھا۔ خادم نے پیام دیا کہ — حضرت فرماتے ہیں یہی میرا آج رات کا کھانا ہے! یہ دلیہ دسترخوان پر رکھ دیا گیا وہاں تو مرغ و ماہی کے ساتھ ساتھ بیسیوں نعمتیں چُنی ہوئی تھیں، میٹھے بھی سلونے بھی کئی پکوان تھے۔ آخر کو یہ حکمرانِ وقت کا دسترخوان تھا۔ کھانے کے لئے امیر جب دسترخوان پر بیٹھا تو سامنے ہی ابو حازم کا بھیجا ہوا دلیہ رکھا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے دسترخوان کے کھانوں پر دوڑائی اور پھر ابو حازم کے دلیئے کو دیکھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دسترخوان سے بھوکا اٹھ گیا اپنی خلوت گاہ میں جا کر سجدے میں گر پڑا۔ زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا۔ دل میں خیالات کا ایک طوفان تھا کہ موج زن تھا۔ چاندی سونا، ہیرے، جواہرات، فوج و سپاہ، حکومت و اقتدار کسی چیز کی کمی نہ تھی یہ حکم ہے کہ — أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ — تیرے رب نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا ذکر کرتا رہ۔ چنانچہ شکرِ نعمت میں وہ نفلیں پڑھتا رہا اور اس رات بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ رکھ لیا۔ روزہ افطار کیا ہی تو کچھ نہ کھایا پانی کے چند گھونٹوں کے بعد پھر روزہ رکھ لیا۔ دوسرا دن بھی اسی طرح روزے میں گذرا۔ تیسرا روزہ رکھا اور افطار کا وقت آیا تو شکرِ نعمت ادا کر کے سموسے سے افطار کیا اور سادہ غذا کھائی۔ اس کے بعد اس صاحب کردار اور سربراہ کے گھر دوسرا بیٹا تولد ہوا۔ اس نے عبدالعزیز نام رکھا۔ انہی عبدالعزیز کے بیٹے وہ عمرؒ ہیں جنہیں امام شافعیؒ اور امام سفیان ثوریؒ خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں۔

ابو حازم سلمہ بن دینار مخزومی شیخ المدینہ کہلاتے تھے۔ امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں ان جیسا کوئی عالم نہیں تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابو حازم سے — کھانا منگوایا تھا ان کے بارے میں امام بخاریؒ

اپنی تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں کہ وہ ہجرت سے اٹھارہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر انتیس برس کی تھی۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان کی بیان کی ہوئی حدیثیں دی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ یہی امام ابن تیمیہ، ابن کثیر اور صاحب تاریخ الخمیس نے بھی لکھا ہے۔ وہ چار بار امیر حج رہے کئی بار مدینۃ النبی کے گورنر بنے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ بندۂ حق اپنے دورِ گورنری میں صحابۂ کرام سے مشورہ لیتا اور جس پر وہ اتفاق کرتے اسی پر عمل کرتا۔ مدینے میں اس نے ناپ تول کے پیمانوں کی اصلاح کی اور درست پیمانے رائج کئے امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کے چیف سیکرٹری رہے۔ اپنے دور کے بڑے صاحبانِ علم و عمل اور فقہا میں ان کا شمار تھا۔ اللہ نے ایک سے ایک لائق بیٹا دیا۔ بڑے بیٹے عبدالملک کے علم کا یہ عالم تھا کہ شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ——— میرے بعد مسائل پوچھنے ہوں تو عبدالملک سے رجوع کرو! یہ اللہ کا بندہ جس کا ذکر ہو رہا ہے سیدنا معاویہ ثانی کی وفات کے بعد متفقہ طور پر مسلمانوں کا امیر منتخب ہوا، اور ۶۴ھ و ۶۵ھ میں ایک سال تک منصبِ خلافت پر فائز رہا۔ امام ابوبکر ابن العربی نے العواصم من القواصم میں لکھا ہے کہ ——— وہ امت کی عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہے! ثقہ صحابہ نے ان سے روایت کی ہے حضرت زین العابدینؒ ابن حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ان کی ایک روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ مؤطا امام مالکؒ سنن نسائی اور مصنف عبدالرزاق میں بھی ان کی روائیتیں ملتی ہیں۔ صحابہ اور تابعین نے ان سے روایت کی ہے تابعین میں حضرت سعید بن مسیبؒ جیسی شخصیت بھی شامل ہے۔ یہ بندۂ خدا اپنے دور کا بڑا ماہرِ نظم و نسق اور غیر معمولی مدبر تھا۔ اس نے سبائی تحریک کی کمر توڑ دی تھی۔ اس کا بدلہ سبائیوں نے یہ لیا کہ اس کے خلاف خوب کیچڑ اچھالی حتیٰ کہ اپنی بے پناہ پروپیگنڈہ مشنری سے کام لے کر اس کی شخصیت کو مسخ کر دیا۔ ہم نے اپنی سادہ لوحی میں اس بات کا خیال بھی نہ کیا کہ صحابۂ کرام کی توہین کرنے والے کیا کیا کھیل کھیلتے ہیں! بہرحال جب اس صحابیٔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت پر اجماع ہو چکا اور لوگ انہیں اطلاع دینے کے لئے ان کے خیمے میں پہنچے تو شمع روشن تھی اور وہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ یہ قاری کلام اللہ حضرت مروان بن حکم رضی اللہ عنہ تھے۔ انہی کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ وہ آخری صحابی ہیں جو مسلمانوں کے حکمران رہے۔

ابوعمرو زبیری کہتے ہیں کہ ایک روز بہت سے طالب علم امام مالک کے آگے زانوئے ادب تہ کیے بیٹھے تھے کہ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ امام مالک نے قرآنِ حکیم کی

یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار (فتح ع آیت ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں آپ کے صحابہ مسلمانوں کے لئے ابریشم کی طرح نرم اور کفار کے لئے فولاد ہیں تم دیکھو گے کہ وہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جبھی تو اس کا نور ان کے چہرہ پر چمکتا ہے۔ تورات، انجیل میں ان کے یہی اوصاف لکھے ہیں جیسے کھیتی میں انکرا پھوٹتا ہے اور بڑھ کر اس روپ پر آتا ہے جو بیج بونے والے کو بھلا لگے تاکہ ان کی شان منود دیکھ کر کافروں کے دل جل کر خاکستر ہوں !

امام مالک نے فرمایا جس کے دل میں صحابہ سے جلن ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے۔ صحابہ کرام سے جلنا کفر کی علامت ہے۔

امام مالکؒ کی بات یہاں ختم ہوئی۔ آیت کا سلسلہ جاری ہے جس میں ارشاد ربانی ہے کہ :۔

وعد اللّٰہ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت منھم مغفرۃ واجرا عظیما

(اللہ نے اپنے رسول کے صحابۂ کرام سے) جو ایمان لائے اور نیکوکار رہے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

لا نعدل باصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم احدًا

(الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ لابن تیمیہ ص۴۰۵)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، افضل ہونا تو چھوڑیے۔

ہماری تاریخ کے سپے صفحات کو چاٹ جانے والے یاجوج ماجوج سے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (آمین)

الحاج عبدالکریم صابر
ڈیرہ اسمٰعیل خان

نعت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

ہو کیسے نعت کے لئے طبعِ سلیم بند
ہوگا نہ حق تعالےٰ کا لطفِ عمیم بند

جاری رہے گا حشر تک رحمت کا سلسلہ
ہوگی کبھی نہ رحمتِ ربِّ کریم بند

فیضِ درِ حضور بھی ہوگا یوں ہی مدام
ہوگا کبھی نہ فیضِ رؤف الرحیم بند

حرفوں میں ایسے مخفی ہوں نازک خیالیاں
غنچے میں جیسے ہوتی ہے بوئے شمیم بند

حق نے بڑے پیار سے رکھا ازل سے تھا
جوفِ صدف خصوصی میں درِّ یتیم بند

یاں لامکاں پہ دیکھ کے جھپکی ذرا نہ آنکھ
واں طور پر بھی ہوگئی چشمِ کلیم بند

فردوس کی ہوائیں بھی اس پر نثار ہوں
یارب نہ ہو مدینے کی بادِ نسیم بند

ختم الکتب اتار کے ختم الرسول پر
حق نے کیا ہے سلسلہ وحی قدیم بند

پھر جب تلک نہ دیکھ لوں روضہ رسول کا
ہونے نہ پائے آنکھ غفور الرحیم بند

ہو وقت مرگ سامنے صورت حضور کی
یارب ہو جب بھی دیدۂ عبدالکریم بند

پڑھ لوں درود و کلمہ نہ جب تک دمِ وصال
ہونے نہ پائے سانس غفور الرحیم بند

صابر کا ذوقِ نعت فزوں تر رہے مدام
تا زیست ہو نہ آمدِ طبعِ سلیم بند

- جس میں مسائل قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہؓ سے
- پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی نماز کی واضح علمی تصویر
- مستند مآخذ، علمی سرمایہ، عام فہم اندازِ بیان، دلکش ترتیب۔
- اردو خواں حضرات کیلئے مدنی تحفہ، جس کی افادیت مسلمہ ہے۔
- امام ابوحنیفہؒ کی علمی عظمت، فلسفیانہ اندازِ استدلال اور سنت سے والہانہ وابستگی کی ایک جھلک۔

ہر اچھے بک سٹال سے یا براہِ راست ہم سے طلب کریں

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ
تقدیم: الشیخ محمد شفیق اسعد

سنی پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۶۶، لاہور

مولانا محمد عبدالحق چوہان

آخری قسط

جادۂ اعتدال

علماء اصول حدیث کی اس تحقیق کے بعد سبائیوں کی اڈلی بدعات اور ان کی مخترعات کا شمار اس طرح ہوگا
صحابہ کرام کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کا اول محرک سبائیوں کا یہی قائد عبداللہ بن سبا یہودی ملعون ہے ار

کان عبد اللّٰہ بن سبا اول من	عبداللہ بن سبا ہی پہلا آدمی ہے جس نے اس
اظھر ذٰلک ۔ (لسان المیزان ص۲۹ ج ۳)	خیال (صحابہ کے خلاف عدم اعتماد) کو ظاہر کیا۔

رجعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کی بنیاد بھی اسی کا اختراع ہے ۔
احادیث نبوی میں کذب بیانی کی آمیزش کی بنیاد بھی اسی ملعون یہودی نے قائم کی

اول من کذب عبد اللّٰہ بن سبا	اور سب سے پہلے جس نے جھوٹ بولا یعنی
(لسان المیزان ص۲۸۹ ج ۳)	جھوٹی حدیث بنائی وہ عبداللہ بن سبا ہی تھا۔

تصحیف کا بانی یہی ملعون ہے جیسا کہ شیخ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے ۔
بقول نعمانی صاحب کے اس کتابچہ کے صفحہ دوم پر یہ دو شعر مرقوم ہیں :۔

چوں محافظ مصحف خدا است غنی	دین است غنی دین پناہ است غنی
سر داد نداد دست در دست یہود	حقا کہ بنائے لاالہ است غنی

اصولی طور پر نعمانی صاحب کا اس مصرعہ پر یہ اعتراض صحیح ہے کہ " بنائے لا الا" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہیں بن سکتے ۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ اشعار غلط طور پر منقول ہیں یہ اشعار اس طرح صحیح ہیں ۔

بر فلک عدل مہر و ماہ ست غنی	شاہ است غنی بادشاہ ست غنی
چوں جامع مصحف الٰہ ست غنی	دین است غنی دین پناہ ست غنی
ہم زلف علی و خالوئے حسنین	فردوس دل و خلد نگاہ ست غنی
صدیق و عمر بہر دین سقف و عماد	باب است علی شہر پناہ ست غنی

سر داد نہ داد دست در دست یہود
حقا کہ نشانِ لاالہٰ ست غنی

(نتیجۂ فکر مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری)

باقی یہ مصرعہ کہ "سر داد نداد دست در دست یہود" اس پر نعمانی صاحب برافروختہ ہیں کہ اس سے تو پھر لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (معاذ اللہ) یہودی ہیں - اس پر ہم یہ عرض کریں گے کہ مرتب رسالہ کے زعم باطل کے مطابق اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل عثمان کی سازش میں شریک ہیں تو پھر واقعی یہ امر لازم آتا ہے کہ یہ حضرات یہودی تحریک کے آلہ کار تھے - لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شعر میں تحریک کا بانی مراد ہے - اور اصولی طور پر ہر تحریک اپنے اول مؤسس کی طرف منسوب ہوتی ہے چونکہ اس تحریک کا اول مؤسس یہودی تھا جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گذر چکا ہے اس لئے اس تحریک کو یہود کی تحریک سے تعبیر کریں گے اور اس تحریک میں شریک افراد کے مطالبات کو یہود کے مطالبات سے تعبیر کریں گے اور سبائیوں کا اصل مطالبہ چونکہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت سے دست برداری اختیار کر لیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ خلافت سے دست برداری ہرگز اختیار نہ کرنا اس لئے انہوں نے شہید ہونا قبول کر لیا لیکن یہودی تحریک کے بنیادی مطالبہ کو بالکل ہی تسلیم نہ کیا اس پس منظر کی روشنی میں اس مصرعہ کی صداقت بالکل ہی روشن ہے۔

"سر داد نداد دست در دست یہود"

ہم اپنے موقف نظریہ کی مزید تائید کے لئے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "تدوین حدیث" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں :-

> اس تحریک کے متعلق بیسیوں باتیں کہی جاتی ہیں لیکن جس چیز نے اس تحریک کو عجیب وغریب چیز بنا دیا تھا وہ اس کی اصلی روح تھی یعنی اس جوہری قوت کو قطعی طور پر ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو اسلام کی پشتبانی اور نصرت کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد "صحابیت" کی شکل میں قدرت کی طرف سے جمع کر دی گئی تھی کھلی ہوئی بات تھی کہ اسی خداداد قوت کو لے کر پیغمبر آگے بڑھے تھے - عرب کے دس لاکھ مربع میل پر پیغمبر کی زندگی میں جس اقتدار حاصل کرنے میں اسلام کامیاب ہوا تھا یا آپ کے بعد چند ہی سالوں میں روئے زمین میں سب سے بڑی سیاسی طاقت کا قالب اسلام نے اچانک جو اختیار کر لیا تھا - یہ سب کچھ ہوا، خدا کی عطا کی ہوئی اسی قوت کے بل بوتے پر ہوا تھا اسلام کے بچے کھچے حریف عرب کے مختلف گوشوں میں جو چھپے دبے تھے عہد عثمانی کے آخری زمانے کے ماحول کے بعض پہلوؤں کو اپنے پوشیدہ اغراض کی تکمیل کے لئے مناسب اور موزوں پا کر مخفی راہوں سے بھی ارادہ کر کے اٹھے کہ "صحابیت" کی اس قوت پر کوئی ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس کے بعد اسلام کا دینی سرمایہ ہو یا دنیوی خود بخود صفر بن کر رہ جائے گا - تحریک چلانے والے بڑے ہوش وگوش کے

لوگ تھے۔ قیادت جنوب عرب (یمن) کے یہود کے ہاتھ میں تھی جو آغاز اسلام سے پہلے ہی اگرچہ اس علاقہ کی حکومت کھو چکے تھے لیکن پھر بھی ان کی ذہنی اور دماغی سطح عرب کے عام باشندوں سے بلند تھی جو حکمران قوم کی وراثت کا لازمی نتیجہ تھا۔ (تدوین حدیث)

اپنے اس رسالہ میں نعمانی صاحب ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ:-

”مجلس عثمان غنی کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز نہ تھے“

اور اپنے اس دعوٰی پر بطور دلیل کے مجلس عثمان غنی کی طرف سے شائع کردہ یہ عبارت پیش کی ہے:-

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص میں غفلت برتنے پر برسوں خلافت کا نظام درہم برہم رہا۔

مجلس عثمان غنی کی طرف سے شائع کردہ اس عبارت کا اگر واقعی یہی مفہوم ہے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خود نظامِ خلافت ہی منقطع ہو گیا تو نعمانی صاحب کی بات درست ہے کیونکہ اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد واقعی یہ بات لازم آتی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت متحقق ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ اہل سنت کے عقیدے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں۔

اور اگر اس عبارت کا مفہوم یہ لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مقاصد نظامِ خلافت میں خلل واقع ہو گیا تھا تو پھر یہ بات بالکل ہی صحیح ہے۔ یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور شاہ اسمٰعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے بھی یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت، خلافت غیر منتظمہ ہے۔

تنبیہ ثالث :- در ذکر امامت تامہ و آں را خلافت راشدہ و خلافت علی منہاج النبوت و خلافت رحمت نیز گویند، باید دانست کہ چوں چراغ امامت در شیشۂ خلافت جلوہ گر، گردید نعمت ربانی در باب پرورش نوع انسانی باتمام رسید و کمال روحانی باکمال ایں رحمت رحمانی بمشابہ نور علی نور بشان آفتاب درخشید ہرچند بقیام خلافت راشدہ از جانب حق نعمت و رحمت تمام و کامل گردید، اما گاہے سعادت اہل زمان اقتضاء می نماید کہ

تنبیہ ثالث امامت تامہ کے ذکر میں، امامتِ تامہ کو خلافت راشدہ، خلافت علی منہاج النبوت اور خلافتِ رحمت بھی کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ جب امامت کا چراغ شیشۂ خلافت میں جلوہ گر ہوا تو نعمت ربانی بنی نوع انسانی کی پرورش کے لئے کمال تک پہنچی اور کمال روحانی اسی رحمت رحمانی کے کمال کے ساتھ نورٌ علی نور آفتاب کے مانند چمکا۔ اگرچہ خلافت راشدہ کے قیام کے لئے نعمت و رحمت حق جلّ و علا کی طرف سے تمام اور کامل ہوئی لیکن کبھی اہل زمانہ

جماہیر اسلام بر قبول خلافت راشدہ اتفاق
نمایند و بجان و دل حکومت خلیفۂ راشد اختیار
کنند امر خلافت ربانی انتظام می گیرد و مقدمہ
سیاست ایمانی بخوبی سرانجام می پذیرد و آں را
خلافت منتظمہ می گویند و در بعضے احیان بحسب
تقدیر ربانی و تقضائے آسمانی ہر چند خلیفۂ
راشد بر روئے کار می آید و در باب اقامت
خلافت سعی بلیغ بجا می آرد فاما اتفاق جماہیر
مسلمان صورت نہ بندد و انتظام کار امت
دست ندہد پس دریں صورت اگرچہ راشد
موجود است و در اقامت خلافت ساعی فاما
انتظام خلافت بوقوع نیامدہ آں را خلافت
غیر منتظمہ می گویند پس خلافت راشدہ دو قسم شد
خلافت منتظمہ مثل خلافت خلفائے ثلاثہ و خلافت
غیر منتظمہ مثل خلافت مرتضیٰ علی علیہ السلام۔
(منصب امامت ص۳۷)

کی سعادت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جمہور
اہل اسلام خلافتِ راشدہ کے قبول پر اتفاق
کریں اور جان و دل سے خلیفۂ راشد کی حکومت
تسلیم کریں تو خلافت ربانی منظم ہو جاتی ہے
اور سیاست ایمانی کا مقدمہ بخوبی انجام پاتا ہے
اس کو خلافت منتظمہ کہتے ہیں۔ بعض وقت
تقدیر ربانی اور تقضائے آسمانی کے بموجب
خلیفہ راشد ظہور فرماتا ہے اور اقامتِ خلافت
کے لئے بہت کوشش کرتا ہے لیکن جمہور مسلمین
کا اتفاق صورت پذیر نہیں ہوتا اور امت کا
انتظام ظہور میں نہیں آتا اسے خلافت غیر منتظمہ
کہتے ہیں۔ پس خلافت راشدہ کی دو قسمیں ہوئیں
ایک خلافت منتظمہ جیسا کہ خلافت خلفائے ثلاثہ
دوسری خلافت غیر منتظمہ جیسا کہ خلافت علی المرتضیٰ
(رضی اللہ عنہ)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۷۶ھ اپنی مشہور کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے ایک فصل میں ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو کہ امت میں واقع ہوئے ہیں۔ انہی تغیرات کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

تغیر ثالث قتل حضرت ذی النورین و آنچہ بر
آں مرتب شد و ایں اعظم تغیرات است
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آں را حد فاصل
نہادند در میان زمان خیر و زمان شر و مطمح اشارات
ہماں تغیر را ساختند در احادیث بسیار کہ ہمہ

تغیر ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت
اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہیں
اور یہ بہت ہی بڑا تغیر ہے اسی کو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے زمانۂ خیر اور زمانۂ شر کے درمیان
بطور حد فاصل کے بیان کیا ہے ۔ اور بہت

بحیثیت اجتماعی متواتر باشند و آنجا خلافت خاصہ منتظمہ منقطع شد۔

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص۱۵ ج ۱)

سی احادیث میں اس تغیر کو مرکزی نقطہ کے طور پر بیان فرمایا ہے جن کی مجموعی حیثیت تواتر معنوی کی ہے اور اسی تغیر پر خلافت خاصہ منتظمہ منقطع ہوگئی تھی۔

ایک اور مقام پر اسی مقصد کو حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ تفصیلاً بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

باید دانست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث متواترۃ المعنیٰ افادہ فرمودند کہ حضرت عثمان مقتول خواہد شد و نزدیک بقتل او فتنہ عظیمہ خواہد برخاست کہ تغیر اوضاع و رسوم مردم کند و بلائے آں مستطیر باشد زمانی کہ پیش ازاں فتنہ است آں را باوصاف مدح ستودند و مابعد آں را ذم نکوہیدند و استقصار نمودند دربیان آں فتنہ تا آنکہ مطالقت موصوف برآنچہ واقع شد بر ہیچ فردے مخفی نماند و بابلغ بیان واضح ساختند کہ انتظام خلافت خاصہ بآں فتنہ منقطع خواہد شد و بقیہ برکات ایام نبوت روئے باختفاء خواہد آورد و ایں معنیٰ را تا بحدے ایضاح کردند کہ پردہ از روئے کار برخواست وحجۃ اللہ بثبوت آں قائم شد و آں بخبر درخارج متحقق گشت بآں وجہ کہ حضرت مرتضیٰ با وجود رسوخ قدم در سوابق اسلامیہ وفور اوصاف خلافت خاصہ انعقاد بیعت برائے او و وجوب انعقاد رعیت فی حکم اللہ بہ نسبت او ممکن نشد در خلافت و

جاننا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر معنوی سے اس طرح کی احادیث منقول ہیں جن سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے جائیں گے اور ان کی شہادت کے وقت بہت ہی بڑا فتنہ نمودار ہوگا وہ ایسا فتنہ ہوگا کہ لوگوں کے حالات بدل جائیں گے اور اس فتنہ کی مصیبت پھیل جائے گی، وہ زمانہ جو اس فتنہ سے پہلے ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کے متعلق ایسی وضاحت بیان فرمائی کہ کسی شخص پر بھی وہ فتنہ مخفی نہ رہا اور آپ نے واضح بیان سے یہ بات بھی فرمائی کہ خلافت خاصہ کا نظام اس فتنہ سے منقطع ہو جائے گا۔ اور ایام نبوت کی برکات بھی اس فتنہ کی نحوست سے ناپید ہو جائیں گی۔ ان امور کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح واضح انداز میں بیان فرمایا کہ کسی شخص کے لئے بھی اس کا خفاء باقی نہ رہا اور اس کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوگئی۔ اور خارج

در انتظام ارض حکم او نافذ نگشت و تمام مسلمین تحت حکم او سر فرود نیاوردند و جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمۂ مسلمین بظہور پیوست و اختلاف ایشاں رخت بعدم کشید و مردم بحروب عظیمہ با او پیش آمدند و دست او از تصرف ملک کوتاہ ساختند و ہر روز دائرہ سلطنت او لاسیما بعد تحکیم تنگ تر شدن گرفت تا آنکہ در آخر بجز کوفہ و ماحول آں برائے ایشاں صافی نماند و ہر چند ایں خللہا در صفات کاملۂ نفسانیہ ایشاں خلل نینداخت لیکن مقاصد خلافت علی وجہا متحقق نگشت۔

(ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۳۲ ج ۱)

میں ان حالات کا وقوع اور تحقق اس طرح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود اس کے کہ سابقیت اسلام کی فضیلت انہیں حاصل تھی اور خلافت خاصہ کے اوصاف ان کی ذات ستودہ صفات میں بطریق اتم موجود تھے لیکن اللہ کی تقدیر اور حکم اللہ الٰہی میں ان کی ذات پر بیعت کی تمامیت کا انعقاد نہ ہو سکا اور نہ ہی ان کا حکم نافذ ہو سکا۔ اور ان کے دورِ خلافت میں تمام مسلمانوں کی اطاعت انہیں حاصل نہ ہو سکی، اور ان کے زمانۂ خلافت میں جہاد بالکل نہ ہو سکا اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق پورے طور پر ظاہر ہو گیا اور مسلمانوں کی آپس میں محبت و مؤدت مفقود ہو گئی اور ان کے ساتھ بہت ہی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں۔ اور روز بروز ان کے حیطۂ تصرف میں کمی واقع ہوتی گئی خصوصًا واقعۂ تحکیم کے بعد اس تنگی کا ظہور زیادہ ہو گیا اور آخر میں تو صرف کوفہ اور اس کے گرد و نواح تک ان کی حکومت محدود ہو گئی۔ لیکن ان امور کے باوجود پھر بھی ان کی ذاتی صفات میں کسی قسم کا نقص واقع نہیں ہوا اور نہ ہی یہ چیزیں ان کے کمالات شخصی میں خلل انداز ہو سکیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مقاصدِ خلافت پورے طور پر متحقق نہ ہو سکے تھے۔

یہ وہ مباحث ہیں جن پر نقد و تبصرہ ہم نے ضروری سمجھا۔ وللہ عاقبۃ الامور،

الحمد للہ اولاً وآخرًا ظاہرًا وباطنًا وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وصفوۃ بریتہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین ٥

پروفیسر عاصی کرنالی

منقبت

امیر المؤمنین خلیفۂ بلافصلِ رسول سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ازل کے روز ملی فطرتِ وفا تجھ کو
خمیرِ عشق سے پیدا کیا گیا تجھ کو
ہزار خلعتِ شاہنشہاں سے بڑھ کر ہے
رسول سے جو ملی صدق کی قبا تجھ کو
ہزار نعمتِ کونین اس شرف پہ نثار
ملا تقربِ محبوبِ کبریا تجھ کو
کبھی انیس و جلیسِ نبی تجھے کہئیے
کبھی پکاریے غمخوارِ مصطفےٰ تجھ کو
تو گلستانِ رسالت میں سانس لیتا ہے
ہوئی نصیب رفاقت بھری فضا تجھ کو
جمالِ دوست کا ہر عکس جذب کرتا جا
کہ دل خدا نے دیا مثلِ آئینہ تجھ کو
وہ جانِ پاک چلی ساحلِ ابد کی طرف
بنا کے کشتیِ ملّت کا ناخدا تجھ کو
اٹھا جو فتنہ وہیں اس کا سر کچل ڈالا
امینِ حرمتِ اسلام! مرحبا تجھ کو
رواں ہوئیں ترے چشمے سے سینکڑوں نہریں
سلام! مصدرِ عرفانِ اولیاء تجھ کو
چمک اٹھیں ترے جلوے سے ان گنت صبحیں
نیاز مطلعِ انوارِ اصفیاء تجھ کو
وہ چاند ہے تو کرن، وہ گلاب تو خوشبو
نبی سے کرکے دکھائے کوئی جدا تجھ کو
وہ کم نظر جو تری کسرِ شان کرتا ہے
کبھی رسول کی صحبت میں دیکھتا تجھ کو
انہی کے ساتھ ہوا تو کبھی ہجرت آمادہ
عزیز تر تھے محمدؐ کے نقشِ پا تجھ کو
بڑھی ہیں دین و شریعت کی رونقیں تجھ سے
ترے خلوص کی اللہ دے جزا! تجھ کو

بقیہ از صفحہ ۱۹

اور پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا خوب ارشادِ ربانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں! اے ابوبکر! جب تم کو موت آئیگی تو اسوقت جبرئیل امین تم سے یہی کہیں گے لہ

لہ کنز العمال بر مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۴۵

مدیر

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی وفات پر سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خطبۂ تعزیت

امیر المؤمنین امام المتقین، قاتل المشرکین خلیفۂ بلافصلِ رسول سیدنا ابوبکر صدیق سلام اللہ ورضوانہٗ علیہ کا انتقال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد امتِ رسول کے لئے سب سے پہلا اور سب سے بڑا حادثہ تھا جس سے مدینۃ الرسول کے بام و در لرز اٹھے، دنیائے اسلام خصوصاً جزیرہ نمائے عرب کا ہر مؤمن و مسلم حزن و ملال اور غم و یاس کی انتہاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جو شخص آپ سے جتنا زیادہ قریب تھا ان کی خوبیوں کے براہِ راست علم کی وجہ سے اسی قدر اس کو زیادہ ملال تھا، خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اس حادثہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔

آپ خلیفۂ رسول علیہ السلام کے انتقال کی خبر سنتے ہی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اپنے مکان سے باہر تشریف لے آئے اور بے اختیار ہو کر فرمایا:

الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج خلافت کا انقطاع ہوگیا ہے۔

اور پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ علیہ کے مکان پر تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر جو خطبۂ تعزیت ارشاد فرمایا وہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی حیاتِ طیبہ کا ایک نہایت حسین و جمیل اور ایمان افروز مرقع بھی ہے۔ ذیل میں یہ طویل خطبہ من و عن نقل کیا جارہا ہے جس سے سیّدنا ابوبکرؓ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلقات اور محبت و الفت کے بارے میں عجم کے سبائیوں اور رافضیوں کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن پروپیگنڈہ کی مکمل تردید ہوتی ہے۔

سیّدنا علیؓ نے ارشاد فرمایا:

اے ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے۔ تم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب۔ مونس۔ راحت۔ معتمد
اور ان کے محرم راز ومشیر تھے، تم سب سے پہلے اسلام
لائے اور تم سب سے زیادہ مخلص مومن تھے۔ تمہارا
یقین سب سے زیادہ مضبوط تھا تم سب سے زیادہ
اللہ کا خوف کرنے والے اور اللہ کے دین کے معاملہ
میں سب سے زیادہ بے نیاز یعنی دوسری چیزوں کی پروا
نہ کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نزدیک سب سے زیادہ معتبر۔ اسلام پر سب
سے زیادہ مہربان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھیوں کیلئے سب سے زیادہ بابرکت
رفاقت میں ان سب سے بہتر مناقب اور فضائل
میں سب سے بڑھ چڑھ کر، پیش قدمیوں
میں سب سے افضل و برتر درجہ میں سب سے
اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب اور آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ سیرت میں
عادت میں مہربانی اور فضل میں، صحابہ میں سب سے
زیادہ اونچے مرتبہ والے اور حضورؐ کے نزدیک سب سے
زیادہ مکرم اور معتمد تھے پس اللہ اسلام اور اپنے رسول
کیطرف سے تمکو خیر کی جزا عطا فرمائے تم آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کیلئے بمنزلہ گوش وچشم تھے تم نے حضورؐ کی
تصدیق اسوقت کی جبکہ لوگوں نے آپکی تکذیب کی اسی لئے
اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمکو صدیق کہا ہے چنانچہ فرمایا
﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ﴾ سچائی لانے

والے محمدؐ ہیں اور اس کی تصدیق کرنیوالے ابوبکر
تم نے حضورؐ کیساتھ غمخواری اسوقت کی جبکہ لوگوں نے
بخل کیا اور تم ناگوار باتوں کیوقت حضورؐ کیساتھ اسوقت
بھی کھڑے رہے جبکہ لوگ آپ سے بچھڑ گئے تم نے سختیوں
میں بھی حضورؐ کیساتھ صحبت ورفاقت کا حق بااحسن وجوہ
ادا کیا۔ تم ثانی اثنین اور رفیق غار (ثور) تھے اور تم پر
سکون نازل ہوا تھا۔ تم ہجرت میں آپکے رفیق تھے اور اللہ کے دین میں اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر۔ تم آپکے ایسے خلیفہ تھے
جس نے اسوقت خلافت کا حق ادا کردیا جبکہ لوگ مرتد ہوگئے
تھے اور تم نے خلافت کا حق ادا کیا جو کسی پیغمبر کے خلیفہ نے نہیں
کیا تھا چنانچہ تم نے اس وقت مستعدی دکھائی جبکہ تمہارے
ساتھی سست ہوگئے تھے اور تم نے اس وقت جنگ کی
جب کہ وہ عاجز ہوگئے تھے جب وہ کمزور رہے تو تم قوی
رہے اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کو
اس وقت تھامے رکھا جبکہ لوگ پست ہوگئے تھے۔ تم
بلا نزاع وتفرقہ خلیفہ برحق تھے اگرچہ اس سے منافقوں
کو غصہ، کفار کو رنج۔ حاسدوں کو کراہت اور باغیوں
کو غیظ تھا تم امر حق پر ڈٹے رہے جبکہ لوگ بزدل ہوگئے
اور تم ثابت قدم رہے جب وہ ڈگمگا اٹھے تم اللہ کے
نور کو لئے بڑھتے رہے جب لوگ کھڑے ہوگئے۔ آخرکار
انھوں نے آپ کی پیروی کی اور ہدایت پائی۔ آپ کی
آواز ان سب سے زیادہ پست تھی مگر آپ کا مرتبہ
ان سب سے اونچا تھا۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ سنجیدہ
تھا۔ سب سے زیادہ تمہاری گفتگو درست تھی آپ
سب سے زیادہ خاموش رہنے والے تھے آپکا قول

سب سے زیادہ بلیغ تھا۔ شجاعت میں آپ سب سے بڑھے ہوئے
تھے، معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے آپ
بخدا دین کے اولین سردار تھے۔ جب لوگ دین سے
ہٹے تو آپ آخری سردار تھے۔ جب وہ دین کیطرف
متوجہ ہوئے آپ مومنین کے لئے رحیم باپ تھے یہانتک
کہ وہ آپ کی اولاد کی طرح ہو گئے۔ جن بھاری بوجھوں
کو وہ اٹھا نہ سکے تم نے ان کو اٹھا لیا۔ جس چیز کو انھوں
نے چھوڑ دیا تھا تم نے اس کی نگرانی کی اور جو چیز
انھوں نے ضائع کر دی تھی تم نے اس کی حفاظت
کی جس کو وہ نہیں جانتے تھے تم نے وہ چیز ان کو
سکھائی۔ جب وہ عاجز و درماندہ ہوئے تو تم نے
مستعدی دکھائی جب وہ گھبرائے تو تم نے صبر کیا
نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی تم نے دادرسی کی اور
وہ اپنی ہدایت کے لئے تمہاری رائے کیطرف رجوع
ہوئے اور کامیاب ہوئے اور جس چیز کا ان کو اندازہ
بھی نہیں تھا وہ انھوں نے پالی۔ تم کافروں کیلئے
عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے۔ مومنین کیلئے
رحمت انسیت اور پناہ تھے تم نے اوصاف و کمالات
کی فضا میں پرواز کی۔ تم نے انکا عطیہ پایا اس کی
اچھائیاں لے لیں۔ تمہاری حجت کو شکست نہیں
ہوئی۔ تمہاری بصیرت کمزور نہیں ہوئی۔ تمہارا
نفس بزدل نہیں ہوا۔ تمہارے دل میں خوف
پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ کمزور نہیں ہوا۔ تم اس پہاڑ
کی مانند تھے جس کو آندھیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم
رفاقت اور مالی خدمت دونوں کے اعتبار سے

سب سے زیادہ احسان کرنے والے تھے اور
ارشاد نبوی کے مطابق جسمانی اعتبار سے گو کمزور
لیکن اللہ کے معاملہ میں قوی تھے۔ اپنے نفس کے
اعتبار سے متواضع۔ اللہ کے نزدیک بڑے اور
لوگوں کی آنکھوں اور دلوں میں بھاری کم اور بڑے
تھے۔ تمہاری نسبت نہ کوئی طنز کرتا تھا اور نہ وہ
حرف گیری کر سکتا تھا تم میں نہ کسی کو طمع تھی اور نہ
تم کسی کی رعایت کرتے تھے۔ ضعیف اور پست آدمی
تمہارے نزدیک قوی تھا کہ تم اس کو حق دلاتے تھے
اور قوی تمہارے نزدیک ضعیف و ذلیل تھا کہ اس سے
حق لیتے تھے، دور و نزدیک دونوں قسم کے آدمی تمہاری
نگاہ میں یکساں تھے۔ جو اللہ کا سب سے زیادہ مطیع
اور متقی ہوتا تھا وہی تمہارا سب سے زیادہ مقرب
تھا۔ تمہاری شان حق۔ سچائی اور نرمی تھی تمہارا
قول حکم قطعی اور تمہارا معاملہ بردباری اور دور
اندیشی تھا اور تمہاری رائے علم اور عزم تھا۔ آپ دنیا سے
رخصت ہوئے جبکہ راستہ ہموار ہو گیا اور مشکل آسان ہو گئی
آگ بجھ گئی اور دین معتدل ہو گیا۔ ایمان قوی ہو گیا اسلام
اور مسلمان ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ کا امر غالب آگیا اگرچہ
کافروں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی تم نے سخت پیش قدمی کی
اور اپنے بعد میں آنے والوں کو تھکا دیا۔ تم خیر سے کامیاب
ہوئے تم اس سے بلند و بالا ہو کہ تم پر آہ و بکا کیجائے
تمہاری موت کی مصیبت تو آسمان میں بری طرح
محسوس کی جا رہی ہے اور تمہاری مصیبت نے تو
تمام دنیا کو ہلا دیا ہے۔ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اسی کے
کی طرف لوٹنے والے ہیں اللہ کی قضا پر ہم راضی ہیں ہم نے

اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا ہے بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا تم دین کی عزت۔ جائے پناہ۔ اور حفاظت گاہ تھے۔ مومنوں کیلئے ایک گروہ۔ قلعہ اور دار الامن تھے۔ منافقوں کے واسطے تشدد اور غضب تھے۔ پس اللہ تم کو تمہارے نبی سے ملا دے اور ہم کو تمہارے بعد تمہارے اجر سے محروم اور گمراہ نہ کرے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

جب تک حضرت علی یہ خطبہ پڑھتے رہے سب لوگ جو وہاں موجود تھے خاموش رہے لیکن خطبہ کے ختم ہوتے ہی سب بے تحاشا اس طرح روئے کہ چیخیں نکل گئیں اور سب نے بیک آواز کہا" ہاں بیشک اے رسول اللہ کے داماد آپ نے سچ فرمایا"

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا۔

" اے ابا! اللہ آپ کو سرسبز و شاداب کرے اور آپ کو آپ کی بہترین کوششوں کا بدلہ عطا فرمائے۔ آپ نے دنیا سے منہ موڑا تو اس کو ذلیل کر دیا۔ اور آخرت کا رخ کیا تو آپ نے اس کو عزت بخشدی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا حادثہ وفات سب سے بڑا حادثہ ہے۔ لیکن بہرحال اللہ کی کتاب ہم کو حکم کرتی ہے کہ ہم صبر کریں۔ اور یہ صبر ہی آپ کی وفات کا سب سے اچھا عوض ہے اور میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ وہ مجھ کو میرے صبر کا بدلہ دے کر اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

اے ابا! آپ اپنی اس بیٹی کا آخری سلام قبول کیجئے جس نے آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے ساتھ پرخاش نہیں رکھی۔ اور اب آپ کے مرنے پر وہ جزع و فزع نہیں کر رہی ہے"

حضرت عمر فاروق گھر میں داخل ہوئے تو حضرت ابو بکر کی نعش کو خطاب کر کے فرمایا۔

" اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر قوم کو سخت محنت و مشقت میں مبتلا کر دیا۔ آپ کا سا ہونا تو درکنار۔ اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گرد تک پہنچ سکے"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت

یہ نوحۂ ماتم تو اس عالم آب و گل میں برپا تھا لیکن عالم ملکوت میں اس وقت کیا ہو رہا تھا؟ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ خود حضرت ابو بکر سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي
إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔

اے نفس مطمئنہ تو اپنے پروردگار کی طرف ہنسی خوشی چلا آ۔ (بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

حکیم محمود احمد ظفر

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسیٰ تھی۔ آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔

سیدنا ابوموسی یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آپ یمن سے بچاس مسلمانوں کی ایک جماعت کی معیت میں بحری جہاز پر سوار ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے لیکن باد مخالف نے جہاز کو حجاز کی بجائے حبشہ پہنچا دیا یہاں آپ مہاجرین حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اس وقت ہجرت فرمائی جب کہ مجاہدین اسلام فتح خیبر سے واپس آ رہے تھے۔ چنانچہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا ابوموسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مرحمت فرمایا۔

(بخاری جلد 2 ص 608، طبقات ابن سعد جلد 4 ص 106)

آپ نے فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت دعائیں دیں۔

آپ علمی، عملی اور فکری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چنانچہ ابوالاسود بن یزید فرماتے ہیں۔

لم اریٰ بالکوفتہ اعلم من علیؓ وابی موسیٰ

میں نے کوفہ میں سیدنا علیؓ اور سیدنا ابوموسیٰؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد 2 ص 257، تذکرۃ الحفاظ جلد 3 ص 106)

امام مسروق فرماتے ہیں۔

کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستتہ عمر وعلی وابن مسعود وابیؓ وزید بن ثابت وابی موسیٰ

قضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہ میں منحصر تھی۔ عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد 2 ص 257)

اسی وجہ سے کتابوں میں مرقوم ہے۔

کان ابوموسیٰ احد الفقہاء الستتہ سیدنا ابوموسیٰ چھ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔ (مستدرک حاکم جلد 3 ص 465)

ابوالبختری فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے سیدنا علی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خصوصی طور پر سیدنا ابو موسیٰ اشعری کے بارہ میں سوال کیا۔

آپ نے جواب میں فرمایا۔

صبغ فی العلم صبغتہ ثم خرج منہ

وہ علم میں رنگ کر نکالے گئے تھے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد 2 ص 257 تذکرۃ الحفاظ جلد 3 107)

امام ذہبی نے ان کے متعلق جو ریمارکس دیئے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا

کانا (ابوموسیٰ) من اجلاء الصحابتہ وفضلا ئھم

سیدنا ابو موسیٰ جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں سے تھے۔ (تاریخ الاسلام جلد 2 ص 255)
آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔
(بخاری جلد 2 ص 1023، العواصم من القواصم ص 174، زرقانی جلد 3 ص 99 حلیۃ الاولیاء جلد 1 ص 354، مسند امام احمد جلد 5 ص 235)

حجۃ الوداع میں آپ یمن ہی سے شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔
سیدنا عمر کے زمانہ خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی۔ پھر سیدنا عمر نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ کو معزول فرما کر ان کی جگہ انھیں بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا دیا۔ (طبری جلد 5 ص 94)

29ھ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمان نے انھیں معزول فرما کر ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامر کو گورنر بصرہ مقرر فرما دیا۔ لیکن 34ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر سیدنا سعید بن العاص کی جگہ انھیں کوفہ کا گورنر مقرر فرما دیا گیا۔

شہادت عثمان کے بعد جنگ جمل کے موقع پر جب سیدنا علی کے داعی لوگوں کو آپ کے لشکر میں شرکت کے لئے ابھار رہے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ کیونکہ آپ خون مسلم کی ارزانی پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں۔ اور فرمایا کہ میرے آقا و مولا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فتنہ میں بیٹھا ہوا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے۔ (القاعد فیھا خیر من القائم) لہٰذا تم لوگ غیر جانبدار رہو۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 235)

مشہور سبائی مالک الاشتر بھی یہ باتیں سن رہا تھا۔ یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دار الامارت چلا آیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر سیدنا ابو موسیٰ دار الامارت کی طرف تشریف لائے تو مالک الاشتر نے انھیں دار الامارت میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ ہماری گورنری سے معزول ہو جائیے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر نہایت صبر اور تدبر سے کام لیا۔ آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دار الامارت میں تو داخل ہو جاؤں گا۔ لیکن کئی ہزار سر تنوں سے جدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ واپس تشریف لے آئے اور "عرض" نامی گاؤں میں خموشی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جب لوگ خونریزی سے سیر ہو گئے تو اس وقت انھیں سیدنا ابو موسیٰ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں۔ جو انہوں نے مسجد کوفہ میں لوگوں کو کہیں تھیں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے صفین کے موقع پر انھیں حکم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔ (العواصم من القواصم ص 173۔ 174 تعلیقہ)

جنگ صفین کے موقع پر فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کیا جائے اور وہ دونوں حکم کتاب اللہ کے مطابق جو فیصلہ کریں۔ وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہو۔ جو فریق اس فیصلے کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرار داد کے پاس ہو جانے کے بعد اہل شام نے متفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاص کا نام پیش کیا۔ سیدنا علی نے اہل عراق کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباس کو ثالث مقرر کرنا چاہا۔ لیکن سیدنا علی کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا (1)

لا نرضیٰ الا بابی موسیٰ
ہم سوائے ابو موسیٰ کے اور کسی پر راضی نہ ہوں گے۔
(البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 286)

ہیثم بن عدی نے کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کا نام سب سے پہلے اشعث بن قیس نے تجویز

کیا تھا۔ پھر ان کی متابعت میں اہل یمن بھی انہی کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں۔ اور اس معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہیں۔ لیکن طبری شیعی کا کہنا ہے کہ سیدنا علی نے اشعث بن قیس کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس ہی کو حکم مقرر کیا جائے آپ کے لشکر کے آدمیوں نے کہا کہ عبداللہ بن عباس آپ کے خاص عزیز ہیں۔ حکم غیر جانبدار اور غیر متعلق ہونا چاہیئے۔ سیدنا علی نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر کا لیا۔ اس پر اشعث بن قیس اور ان کے ساتھیوں نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو ہر فریق دوسرے سے برسرپیکار رہے اور جنگ کی صورت بند نہ ہو۔ اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہو گا۔ سیدنا علیؓ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر بامر مجبوری سیدنا ابوموسیٰ اشعری کو حکم مان لیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد 7 ص 275 طبری جلد 6 ص 28، ابن اثیر جلد 3 ص162 مروج الذہب جلد 2 ص 28، اخبار الطوال ص 192، ابن ابی الحدید جلد 2 ص 228)

شاید اس معاملہ میں مالک الاشتر مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھا۔ کیونکہ اس نے اس وقت بھی سخت مخالفت کی تھی جب سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا تھا۔ بلکہ اس وقت غضبناک ہو کر سیدنا علی کو دھمکی بھی دی تھی۔ (طبری جلد 5 ص 194) اور ابن عباس کے نام کے بعد آپ کا مالک الاشتر کے نام کو تجویز فرمانا بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے۔

سیدنا علی کا نافرمان لشکر

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ سیدنا علی کے لشکر نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کے حکم مقرر کرنے کی مخالفت کی اور اس مخالفت میں سیدنا علیؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا علی اپنے لشکریوں کے ہاتھوں مجبور تھے۔ کیونکہ ان کے لشکر میں سبائیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جن کا کام اور جن کی نیت ہی اسلام کے شیرازہ کو تلپٹ کرنا تھا۔ لہذا وہ ہر معاملہ میں سیدنا علی کی مخالفت کرتے تھے۔ اور ان کی اکثر یہی کوشش رہتی تھی۔ کہ سیدنا علی سے اپنی بات منوائیں۔ چنانچہ سیدنا علی بھی ان لوگوں سے نہایت تنگ اور کبیدہ خاطر تھے۔ آپ کبھی کبھی فرماتے

"بخدا! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالیں۔ پھر فرمایا خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔

خداوندا! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں مبتلا کر کہ یہ اس کے بعد مجھے یاد کریں (1)

(جلاء العیون ص 229)

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

"اگر موسم گرما میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لئے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو۔ کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے میری سخت نافرمانی کی ہے اور میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے"

(حلیۃ المتقین باب 14 فصل 12 ص 362)

(باقی آئندہ)

ادارہ

مسافرین آخرت

مجلس احرارِ اسلام صادق آباد کے معاون ریاض حسین ہاشمی صاحب کی والدہ ماجدہ اور مولانا محمد عبدالغنی مرحوم کی بیوہ ۲۴ ر نومبر کو ۱۱۶ سولہ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں ۔ مرحومہ نہایت صالحہ خاتون تھیں اور حضرت امیر شریعتؒ سے بیعت تھیں اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے ۔ ہم بھائی ریاض حسین صاحب اور دیگر لواحقین کے غم میں برابر کے شریک ہیں ۔

مجلس احرارِ اسلام سیالکوٹ کے مخلص کارکن بھائی محمد ارشد صاحب کے کمسن بیٹے عمر فاروق مختصر علالت کے بعد ۱۶ ر نومبر کو انتقال کر گئے ۔ ان کی عمر تقریباً پانچ ماہ تھی ۔ اللہ تعالیٰ بھائی محمد ارشد صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور معصوم بیٹے کی جدائی کو ان کے لئے ذریعہ آخرت بنائے (آمین) ادارہ نقیبِ ختم نبوت ان کے غم میں شریک ہے ۔

قارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لئے دعاءِ مغفرت کا خاص اہتمام فرمائیں ۔

دیگر انتقال کر جانے والے تمام مسلمانوں کے لئے بھی مغفرت کی دعا فرمائیں ۔

مجلس احرارِ اسلام بستی بدلی شریف (رحیم یار خان) کے صدر جناب حاجی اللہ رکھا صاحب گذشتہ دنوں عقبیٰ سدھار گئے وہ احرار میں شامل ہوئے تو پھر اسی کے ہو کر رہ گئے ! اور وفا کی مثال ایسی قائم کی تا دمِ واپسیں احرار سے ہی وابستہ رہے ان کی رحلت سے احرار حلقوں کے دِل ملول و مغموم ہیں ۔ جماعت کے لئے ان کا خلوص ایثار اور جدوجہد ناقابلِ فراموش ہے ۔ اللہ جل شانہٗ دین کے لئے ان کی محنت قبول فرمائے ، سیئات معاف فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین) ادارہ پس ماندگان کے شریکِ غم ہے ۔

بدر منیر احرار خان پور میں جماعت کے روحِ رواں ہیں پچھلے دنوں ان کی معصوم بیٹی تین ماہ کی عمر میں وفات پا گئی ۔ یقیناً ان کے لئے یہ غم ناک حادثہ ہے ۔ جہاں اُن کا دِل غم سے چُور ہے وہاں احرار کارکن بھی ملول ہیں ، اللہ تعالےٰ انہیں صبر اور نعم البدل عطا فرمائے ۔ (آمین)

مَنْ سَبَّ الْاَنْبِيَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ جُلِدَ (الحدیث)

جو شخص انبیاء کو گالی بکے اسے قتل کر دیا جائے اور جو میرے صحابہؓ کو گالی بکے اُسکی دروں سے پٹائی کی جائے

مرزائی کو سیکرٹری پیداوار مقرر کر کے ملکی صنعت کو خطرے میں ڈال دیا گیا ہے

کنور ادریس اور دیگر مرزائی افسروں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے

اس مرزائی افسر نے چیئرمین آٹو موبائل کارپوریشن اور دیگر حیثیتوں سے ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے

بیوروکریسی میں موجودہ سیکولر ذہنیت کے حامل افراد نے ابھی تک اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا اور وہ اسلامی جمہوری اتحاد کی نئی حکومت سے بھی ایسے ہی اقدامات کرا رہے ہیں جن پر پیپلز پارٹی گامزن رہی ہے۔ بطور خاص ملک دشمن مرزائیوں کو حساس اور کلیدی عہدوں پر تعینات کیا جا رہا ہے جس کی ایک مثال کنور ادریس جیسے متعصب مرزائی کا سیکرٹری پیداوار مقرر کیا جانا ہے۔ اس سے پہلے "ہفت روزہ سیاسی لوگ" نے بے نظیر بھٹو کی اسلام دشمن پالیسیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا کہ جنوری سنہ۹۰ء میں کنور ادریس کو سندھ کا چیف سیکرٹری مقرر کرنے سے پہلے آٹو موبائل کارپوریشن میں ۸۴ کروڑ روپے کا فراڈ کر کے اس قومی ادارے کو تباہ کیا گیا۔ کراچی کے کمشنر کی حیثیت سے لسانی اور مزدور کش فسادات کرائے۔ کراچی شپ یارڈ کو تباہی کی طرف گامزن کیا، اپنے سسرال کے اداروں شاہنواز لمیٹڈ اور ماڈرن موٹرز کو غیر قانونی مفادات پہنچانے کے لئے نیشنل موٹرز کو تباہ کیا، بنکرز ایکویٹی کے ذریعے پیپلز پارٹی کے ارکان اسمبلی کو لاکھوں، کروڑوں روپے کے قرضے دلائے اور اب حکومت نے اسے سیکرٹری پیداوار بنا دیا ہے۔ کنور ادریس کو اگر فوری طور پر اس کلیدی عہدے سے نہ ہٹایا گیا تو وہ نہ صرف صنعتی ماحول کو خراب کرنے کا باعث بنے گا، بلکہ ملکی صنعت کو بھی تباہی کی طرف لے جائے گا، اور اس کی تمام تر ذمہ داری اسلامی اتحاد کی حکومت پر عائد ہوگی، میاں نواز شریف ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہیں اس لئے ان سے مطالبہ ہے کہ کنور ادریس کو بلا تاخیر سیکرٹری پیداوار کے اہم عہدے سے ہٹایا جائے۔ بصورت دیگر وہ حکومت کے صنعتوں کو ترقی دینے کے منصوبوں کو ناکام بنا دے گا، کنور ادریس کے علاوہ دیگر مرزائی افسروں کو بھی کلیدی اور حساس عہدوں سے ہٹایا جائے اور انہیں صرف ایسی جگہ تعینات کیا جائے جہاں وہ ملک اور قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "سیاسی لوگ" لاہور۔ ۲۰ر نومبر سنہ۱۹۹۰ء)

خادم حسین

"زبان میری ہے بات اُن کی"

—— لوک ورثہ کے ڈائریکٹر جنرل احمد فراز کو معطل کر دیا ۔ (ایک خبر)

جن کے دلوں میں دینِ پیمبر سے ہے عناد ٭ اُن کے سَروں پہ ضربِ کلیمانہ چاہیئے !

—— اساتذہ طالب علموں کو اچھے شہری بنانے کی اجتماعی کوشش کریں ۔ (وزیرِ تعلیم پنجاب)

لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم میں سرِعام گولیاں چلانے والے اور بہنوں پہ اُوئے اُوتے کی آوازیں کسنے والے مہذب اور تعلیم یافتہ بدمعاش ہی پیدا ہوں گے ۔

—— اغوا کے الزام میں پھانسی ، زمانۂ جہالت کی یاد تازہ کر دے گی ۔ (بے نظیر)

"اگر ڈاکو کو پھانسی لگے گی تو اُنہیں پناہ دینے والوں کو پھانسی تو ضرور لگے گی ۔"

—— مُسلم خواتین پورے "حجاب" کے ساتھ شطرنج چیمپئن شپ میں حصّہ لیں گی ۔ (ایک خبر)

مے خانے میں شراب بھی پیئو مسجد میں چندہ بھی دو !

شیطان بھی خوش رہے اللہ بھی ناراض نہ ہو

—— کے ای کالج لاہور کے ایم بی بی ایس فائنل میں حصّہ لینے والے پروفیسروں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد ۲۳ ہے جن میں سے کوئی بھی فیل نہیں ہُوا ۔ پہلی تین پوزیشنیں بھی ان کی ھیں ۔ (ایک خبر)

تعلیم ایک سیکنڈل ! تعلیم یافتہ سراپا کرپشن

ذھانت اِن کے گھر کی ہے ، سفارش اِن کے گھر کی ہے ، انہیں کچھ نہ کہو ۔

—— شریعت بِل منظور نہ کیا گیا تو وزارت چھوڑ دوں گا ۔ (مولانا عبدالستار خان نیازی)

یقین آیا ! بابا ! آپ کی شادی نہ کرنے کی قسم ابھی تک قائم ہے ۔

—— میرے والد نے "اِدھر ہم اُدھر تم" کے الفاظ کبھی استعمال نہیں کیے ۔ (بے نظیر)

"ذوالفقار" بندۂ چالاک ، کج نگاہ ٭ بیٹی سیاست میں جھوٹوں کی بادشاہ !

——— ساڑھے بارہ سو روپے ماہوار تنخواہ لینے والا ۹ افراد پر مشتمل خاندان کی کفالت کیسے کرے ۔؟

(ٹی۔ وی پروگرام "میں اور آپ")

"آٹا مہنگا ہویا تے کی ہویا ؟ | لوکو! شور مچاون دا حق کوئی نئیں
تے میرے ملک وچ کسے غریب نوں وی | چینی چاہ وچ پاون دا حق کوئی نئیں

——— بربراقتدار خاتون کے پیچھے کوئی طاقتور مرد ہوتا ہے۔ (امریکی جریدے "ٹائم" کا تجزیہ)

مگر مشرق والوں کا کہنا ہے ۔" ہر جہانگیر کے کاندھوں پر کسی نور جہاں کا ہاتھ ہوتا ہے ۔" اور" ہر یحییٰ خان کے پیچھے کوئی جنرل رانی ضرور ہوتی ہے ۔"

——— قرآن و سنت کی بالادستی چاہتے ہیں لیکن آئینی حقوق اور مذہبی آزادی پر پابندی قبول نہیں ——— (ساجد نقوی)

"صدرِ ایران نے عورتوں کو ۳ ماہ کے لئے عارضی شادی کی اجازت دے دی ۔" ——— ترپہ ہیں آپ کے آئینی حقوق اور یہ ہے آپ کی مذہبی آزادی ——— ؟

——— افسر نے گاؤں سے آنیوالے اپنے بوڑھے باپ کے بارے میں ملازم سے کہا ۔" یہ میرے گاؤں کا آدمی ہے ۔ اس کا خیال رکھنا ۔" (ایک المیہ)

شہر میں آکر پڑھنے والے بھول گئے ۔ کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا ۔؟

——— ہر دیانتدار آدمی زندگی کو خوبصورت دیکھنا چاہتا ہے ۔ (اصغر ندیم سید)

اور آپ کی "خواہش" میں ہر شکیلا۔ زلیا۔ خوشی محمد لبنیٰ ۔ روزی۔ رانی اور چھپ چھپ کر لڑکی سے ملنے والا آوارہ لڑکا۔ دیانت دار آدمی ہے۔ کیوں اپنی اندر کی غلاظت کے چھینٹے لوگوں پر پھینکتے پھرتے ہو ۔؟

——— " تھوڑی سی پیتا ہوں ، جھوٹ نہیں بولوں گا ، خدا بخشش کرنے والا ہے ، ڈاکٹر کی ہدایت پر پیتا ہوں ۔ بیان کی تردید نہیں کروں گا ۔" (جام صادق علی)

دُرّے حرام خور کو ایسے رسید کر ! جو اس شراب زادے کا حلیہ بگاڑ دیں

——— میرے دور میں کوئی وزیر ایسی جرأت کرتا تو اسی دن برطرف کر دیتی ۔

(جام صادق کے بیان پر بے نظیر بھٹو کا تبصرہ)

محترمہ! آپ کے مرکزی وزیر "کتّی باز" کو کون نہیں جانتا ؟ اور پھر آپ کے ڈیڈی نے بھی تو یہی الفاظ کہے تھے

شراب خانہ کے مغبچے، قمار خانہ کے دلبر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "میری امت میں "خسف" زمین میں دھنس جانا اور "قذف" یعنی آسمان سے پتھر برسنا اور "مسخ" یعنی صورتوں کا بدل جانا واقع ہوگا" صحابہؓ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! یہ کب واقع ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والی عورتیں عام ہوں گی اور شراب حلال ہوگی۔ پھر یہ تینوں عذاب اس امت پر وارد ہونے لگیں گے۔

نبی علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کے تناظر میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں اور سیاست دانوں کے کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔ جس ملک کی سیاسی قیادت کے اللے تللے یہ ہوں ان سے خیر کی توقع رکھنا ایمان کی جانکنی اور شعور کی موت ہے۔

- جھوٹ نہیں بولوں گا۔ شرابی نہیں ہوں، تھوڑی سی پیتا ہوں۔ (جام)
- میرے دور میں کوئی وزیر ایسی جرأت کرتا۔ تو اسی دن برطرف کر دیتی۔ (بے نظیر)
- کیا اپوزیشن ارکان بھٹو کے یہ الفاظ بھی دہرائیں گے کہ تھوڑی سی پیتا ہوں۔ (سردار آصف احمد علی)
- جام صادق کو شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔ (مسلم لیگ لیاقت گروپ)
- احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بیماری کی حالت میں بھی شراب نوشی کرنا حرام ہے۔ کسی مقدمے یا تفتیش کی ضرورت نہیں رہی۔ حدود کے تحت سزا کا اعلان کیا جائے۔ (پی پی پی پنجاب)
- 75 فیصد ارکان اسمبلی شراب پیتے ہیں۔ (راؤ رشید)
- گناہ کو گناہ سمجھنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ کافر نہیں۔ (مولانا عبدالقادر آزاد)
- جام صادق کو سزا نہ دی گئی تو اس بات کو تقویت ملے گی کہ بااثر لوگ قانون کی زد میں نہیں آتے۔ (جنرل سیکرٹری لاہور ڈسٹرکٹ بار۔ وجیہہ اللہ خان)
- "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ایک ترقی پسند انسان ہوں۔ میں وہسکی پیتا ہوں" (سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی۔ بحوالہ کتاب۔ پاکستان کا سیاسی سفر نامہ)

جتنے شراب زادے ہیں اسلام کے خلاف
ان کی بقول "ترمذی" تدفین چاہیئے!
شورش! میرے چمن کے محافظ ہیں مسخرے
ان بزدلوں کی ہر کہیں توہین چاہیئے!

جنّوں اور انسانوں سے خطاب

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ ! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ! تم بغیر زور کے نہ نکل سکو گے (اور وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ، تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم بچ نہ سکو گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے (سورۃ الرحمٰن آیات ۳۳ تا ۳۶)

حاشیہ ——— قیامت میں تمہیں یہ سزا ملے گی اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے گا ! (ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

رجوع الی اللہ کی ضرورت

خلیج کے خطرناک جنگی خدشات کے پیشِ نظر وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ مخلوقِ خدا کو راہِ راست پر چلنے کی ہدایت کی جائے اور علماء کرام سے درخواست کی جائے کہ وہ مسلمانوں کو ہر نماز کے بعد درج ذیل دعا پڑھنے کی تلقین فرمائیں ۔

رَبَّنَا لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ

وصلی اللہ علی النبی ، اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ان (خطرناک) حالات سے پہلے عافیت عطا فرما ! (آمین یا اللہ العٰلمین)

- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک میں بچاؤ کے لئے اس دعا کا سہارا لیا جائے ۔

لہٰذا جنگی خطرات اور مہلک اسلحہ کی گھن گرج سے بچنے کے لئے حفاظتی اقدامات کے ساتھ مذکورہ دعا کو بکثرت وردِ زباں رکھا جائے ۔ اور متوقع قیامتِ صغریٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے رجوع الی اللہ کی ضرورت و اہمیت اور تقاضا پورا کیا جائے ، اللہ تعالےٰ توفیق دے ۔ آمین

"خاموش مبلغ" ——— تقدس سادات ملتان

گوشۂ افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

جنوری ۱۹۹۱ء میں مفکر احرار چودھری افضل حق رحمۃ اللہ کو ہم سے جدا ہوئے پچاس برس ہو رہے ہیں۔ آپ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے اور ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو انتقال کر گئے۔ اپنی پچاس برس کی مختصر سی مگر مصائب بھری زندگی میں انہوں نے ملک و قوم اور دین کے لئے کیا کچھ کیا اس کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ان کا فکر ان کی وفات کے پچاس برس بعد بھی "مجلس احرار اسلام" کی صورت میں زندہ و تابندہ ہے۔

آئندہ صفحات میں آپ جو کچھ پڑھیں گے وہ اسی حوالے سے ہے۔ اس میں شامل زیادہ منظومات و مضامین، روزنامہ آزاد لاہور ۳ جنوری ۱۹۵۷ء۔ روزنامہ نوائے پاکستان لاہور، ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء۔ ہفت روزہ اداکار لاہور، ہمبئی اور دیگر رسائل سے اخذ کئے گئے ہیں۔

بزرگ احرار کارکن جناب قاضی حاکم علی صاحب (لاہور) ادارہ کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ اخبارات و رسائل اپنے پاس محفوظ رکھے اور اب دفتر مجلس احرار اسلام کو عطیہ فرما دیے ہیں۔

قارئین سے اہم اپیل!

تقسیم سے قبل تا بعد مجلس احرار اسلام کی طرف سے شائع ہونے والا بہت سا لٹریچر اور جماعت کے ترجمان اخبار "آزاد" اور "نوائے پاکستان" وغیرہ اس وقت ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس کے مکمل فائل مارشل لاء اور تحریکوں میں حکومت کی طرف سے دفتر کی تلاشیوں اور ریکارڈ کی ضبطیوں کے نذر ہوئے، اس کے علاوہ کچھ "علم دوست" احباب بھی تاریخ کے مجرم ہیں کہ دفتر احرار کا تمام ریکارڈ ان کے تصرف میں رہا اور وہ تا ایں دم اس پر قابض ہیں۔

جن بزرگوں کے پاس مجلس احرار اسلام سے متعلقہ مواد، مثلاً اخبارات و رسائل، خطوط وغیرہ موجود ہوں، وہ اصل دستاویزات یا ان کی فوٹو سٹیٹ کاپی ارسال فرمائیں۔ بصورت دیگر ہمیں مطلع فرمائیں ہم خود حاضر ہو کر استفادہ کریں گے، اور اس ریکارڈ کو "نقیب ختم نبوت" کے ذریعے تاریخ کے حوالے کر دیں گے۔

(مدیر)

عکسِ تحریر مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ

مجلس احرار اسلام ہند

لاہور

۱۸ فروری ۳۵ء

محترمی

السلام علیکم - کل ۱۸ فروری ۳۵ء کو چودہری عبدالعزیز صاحب بیگووالوی کی پیشی گورداسپور میں ہے - مولانا حبیب الرحمٰن صاحب آج جا رہے ہیں - اور میں ان شاء اللہ شام کو جاؤنگا - آپ کب تشریف لے جاوینگے - اطلاع بخشیں - اگر آج شام کو تشریف لے جانا ہو - تو میں بھی آپکے ہمراہ جا سکتا ہوں - والسلام

صبح کے وقت سردی ہوگی - میرے خیال میں شام کو جانا بہتر ہے -

افضل حق

ایم ایل سی

---

۱ - مشہور بیرسٹر میاں عبدالعزیز مرحوم (مالواڈہ) شہرۂ آفاق لدھارام کیس میں حضرت امیر شریعتؒ کے وکیل تھے -

۲ - مجلس احرار اسلام کے رہنما - احرار کے ٹکٹ پر ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے -

۳ - رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

بشکریہ "ازنوادر" ذخیرہ میاں عبدالعزیز مرحوم ! ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور - ۱۹۸۵ء

عکسِ تحریر، امام العصر مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ

۱۹۴۲ء میں مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ کی وفات پر لاہور میں مجلس احرار اسلام نے ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے قائدینِ احرار کے نام ایک خط تحریر فرمایا۔ جو تبرکاً ہدیۂ قارئین ہے۔ یہ عکس ہفت روزہ اداکار۔ لاہور و بمبئی۔ ۱۳ جنوری ۱۹۵۷ء سے لیا گیا ہے (ادارہ)

آپ اس وقت چودھری افضل حق مرحوم کی یاد میں جمع ہوئے ہیں
میں آپ کے اظہارِ غم میں شریک ہوں۔ اور آپ کے جلسہ کے
مقصد سے اپنے کو وابستہ کرتا ہوں۔ ۲۱ء میں جب جمعیۃ علمائے ہند
کا سالانہ جلسہ لاہور میں ہوا تھا۔ اور اس کی صدارت کی خدمت
میرے سپرد کی گئی تھی تو اس موقعہ پر چودھری صاحب مرحوم نے
سرکاری ملازمت ترک کر دینے اور خدمتِ ملک کے لیے وقف
ہو جانے کا اعلان کیا تھا، وہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں
تک اس اعلان پر قائم رہے۔

ابوالکلام

ذکرِ رفیق!

جیل اور ریل میں انسان کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتا ہے یعنی وہ عادتیں جو ہم ایک دُوسرے سے عام طور پر چُھپانے میں کامیاب رہتے ہیں جیل اور ریل کی مُصاحبت میں دَاشگاف ہو جاتی ھیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ جبریہ مصاحبت باقی عمر کے لئے ساتھی بخش دیتی ہے، چوہدری صاحب مرحوم سے رفاقت کی نعمت مجھے جیل میں نصیب ہوئی اور جب تک زندہ رہے ان کی صُحبت اور رفاقت سے میں خوشہ چینی کرتا رھا ـــــــــــــــ

انسانی زندگی میں جیل اور مُسافرت دو ایسے مقامات ہیں جہاں ایک دوسرے سے قُرب اور مصاحبت اختیاری نہیں ہوتی یعنی رفقائے سخن یا سفر کا انتخاب اپنی مرضی سے نہیں ہوا کرتا۔ عام میل ملاپ میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھ رکھاؤ یا تکلف برتنے میں آسانی کے ساتھ کامیابی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم ایک قلیل وقفہ میں اپنی صحیح عاداتِ اخلاق کو ایک دوسرے سے چُھپائے رکھنے میں کافی مشاق نظر آتے ھیں لیکن وہی لوگ ایک طویل مدت کی ہم سفری اور جبریہ قیام کے زمانہ میں اس قدر ایک دوسرے سے دُور اور متنفر ہو جاتے ہیں جس کا بادی النظر میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ روزانہ صبح کی سیر میں دو تین سال تک گھومنے والے انسان گویا ہی بے تکلف دوست یا ساتھی سمجھے جائیں۔ لیکن اگر ان کو کبھی دو تین ماہ ایک دوسرے کی مصاحبت اختیار کرنی ناگزیر ہو جائے تو لازمی نہیں کہ وہ ایک دوسرے سے مخلصانہ طور پر رابطہ قائم کر سکیں۔ کیونکہ چوبیس گھنٹے کی لازمی رفاقت میں اپنے اصلی خدوخال کو ایک دُوسرے سے چُھپانے یا تکلف برتتے ہوئے اپنے آپ کو اس حیثیت میں پیش کرنا جو حقیقت اور جبلت سے دُور ہو، انسانی بس کا روگ نہیں۔ برادرم حضرت شاہ جی (مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) اکثر فرمایا کرتے ھیں کہ:

"جیل اور ریل میں انسان کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آجاتا ہے۔"

یعنی وہ عادتیں جو ہم ایک دوسرے سے عام طور پر چُھپانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ جیل اور ریل کی مصاحبت

میں نہ چھپائے رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی نگاہوں سے گر جاتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ حسنِ اتفاق سے یہ جبریہ مصاحبت باقی عمر کے لئے ساتھی بھی بخشش دیا کرتی ہے۔ چودھری صاحب مرحوم بھی میرے لئے وہ نعمتِ عظمیٰ تھے جو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے جیل کی رفاقت میں مجھے میسر ہوئی اور جب تک زندہ رہے ہیں، میں برابر انکی صحبت اور رفاقت سے خوشہ چینی کرتا رہا۔

چودھری صاحب مرحوم سے میری پہلی ملاقات اوائل ۱۹۲۱ء میں ڈسٹرکٹ جیل انبالہ کے سپیشل وارڈ میں اس زمانہ میں ہوئی جب متحدہ ہندوستان پہلی دفعہ آزادی ملک اور مسئلہ خلافت کی بنا پر عوامی تحریک کی صورت میں برطانوی سامراج کے خلاف تحریک عدمِ تعاون کے نام پر نبرد آزما ہوا تھا اور تاریخ سے بے پرواہ ہو کر دیوانہ وار ہزاروں افراد نے سطحی آرام کی زندگی پر جیلوں کی تاریک اور ذلیل زندگی کو ترجیح دی۔ چودھری صاحب مرحوم صفِ اوّل کے اُن جوانمردوں میں سے تھے جنہوں نے بے مثال ایثار و قربانی سے نہ صرف ایک خوشحال زمیندار خاندان کے مفاد کو خطرے میں ڈال دیا بلکہ لودھیانہ شہر کے سٹی کوتوال کی حیثیت سے اپنی ملازمت کو بھی تیاگ دیا۔ ہنسی خوشی اُس خارزار وادی میں قدم رکھنا پسند کیا، جہاں تنگ دستی اور ملامت ہر ہر قدم پر دامن گیر ہوا کرتی ہے۔

استقامت اور صبرِ عظیم کا یہ پیکر نُور کے تڑکے ہمارے درمیان پہنچایا گیا اور چند ہی دِنوں میں اپنے بے پناہ اخلاص، زبردست قوتِ ارادی اور پاکباز کیرکٹر کی وجہ سے ہم لوگوں میں اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہی رفاقت ترقی کرتے ہوئے میرے لئے ایک بزرگ بھائی کی شفقت آمیز محبت، اعتماد اور رہنمائی میں تبدیل ہو گئی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بسا اوقات میرے دِل و دماغ میں یہ خوش کن احساس غالب ہوتا رہا کہ اپنے ذاتی مفاد کے متعلق میں خود اس طرح سوچ نہیں سکتا تھا۔ جس دِل بستگی کے ساتھ چودھری صاحب مرحوم میرے معاملات پر توجّہ دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ اسی قسم کی خوبی انسانوں میں صرف اسی وقت ودیعت ہو سکتی ہے جب انکی سرشت میں دوسرے کے لئے مخلصانہ شیفتگی کا جذبہ کارفرما ہو۔ مجھے فخر ہے کہ اسی سلسلہ میں چودھری صاحب موصوف ہم سب میں چوٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض معاملات میں باہمی اختلافات کے باوجود چودھری صاحب موصوف کے اخلاص اور بلندیٔ فکر میں کبھی بھی ساتھیوں میں ادنےٰ سا شبہ بھی پیدا نہ ہو سکا۔

انبالہ ڈسٹرکٹ جیل کو اس زمانہ میں میانوالی ڈسٹرکٹ جیل کی طرح دہلی اور پنجاب کے سیاسی قیدیوں کے لئے سیاسی جیل کی حیثیت میں مختص کیا گیا تھا چنانچہ یہاں بھی امرتسر، جالندھر، لودھیانہ، انبالہ، ہوشیارپور، رہتک

حصار، اور دہلی کے رضا کار اور کارکن ساڑھے تین صد کی تعداد میں محبوس تھے جن میں مشکل سے پچاس کے قریب سپیشل کلاس اور ان میں چودھری صاحب مرحوم بھی ایک سال بامشقت لیکر شامل کئے گئے۔ واضح رہے کہ اس عوامی سیاسی تحریک سے پہلے عام طور پر سوسائٹی کو جیل کے اندر کی غیر انسانی زندگی سے کوئی شناسائی نہ تھی اور نہ ہی حکام جیل قیدیوں کے انکار و تکرار کے خوگر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ آزادیٔ ملک کے شیدائیوں کی ٹکر جیل کے حکام سے ازبس ناگزیر تھی جو ہو کر رہی اور ملک کو یکایک سیاسی تحریک کے بیرونی اثرات کے ساتھ ساتھ جیلوں کے اندرونی خلفشار اور بدامنی کی کارروائیوں سے بھی دو چار ہونا پڑا۔ یہی صورتِ حال انبالہ جیل کے کارپردازوں کے لئے بھی خاصی دردِ سر بنی۔ چنانچہ روایتی نظم و ضبط اور افسرانہ وقار کی بحالی کے لئے انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات نے اپنے محکمہ کے ایک خاص افسر چودھری محمد اکبر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل بنا کر انبالہ میں تعینات کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سی کلاس قیدیوں کو ہفتہ میں دو دفعہ گندم کی روٹی اور باقی ایام میں مکئی کی روٹی کھانے کو ملتی تھی جو نہ صرف کچی ہوتی تھی بلکہ مٹی وغیرہ کی آمیزش کی وجہ سے کھانے کے ناقابل تھی۔ اور احتجاج کے باوجود افسرانِ جیل اس میں مناسب تبدیلی کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسری طرف مشقت کے لئے بان نہ صرف مقدار کے مطابق تیار نہ کیا جا سکتا تھا بلکہ اسکی تیاری میں قیدیوں کے ہاتھ بھی زخمی ہو جاتے تھے۔ اس لئے مشقت تبدیل کرنے کا مطالبہ ازبس ناگزیر تھا جس پر مناسب توجہ نہ ہونے کے باعث سیاسی قیدیوں نے خوراک لینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکامِ جیل کی روش نامناسب حد تک سخت ہوتی گئی یہاں تک کہ مصالحت سے مایوس ہو کر ہم لوگوں نے بھی سپیشل کلاس کی مراعات ترک کر دیں۔ اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس انبالہ سہ ماہی دورہ پر تشریف لائے اور جب وہ ہمارے احاطہ میں پہنچے تو کپتان پولیس مسٹر پرائیس نے چودھری صاحب مرحوم کو پہچان لیا۔ جو استعفیٰ داخل کرنے سے پہلے ان کے ماتحت سب انسپکٹر پولیس کی حیثیت میں رہ چکے تھے۔

یہاں پر وہ مکالمہ نقل کرنا عبث نہ ہوگا جو برطانوی نوکر شاہی کے اس معزز نمائندے اور آزاد ہندوستان کے خواب دیکھنے والے غیور اور بے باک نمائندے کے درمیان رونما ہوا جو آگے چل کر اس طرح فرسا ڈرامے پر منتج ہوا جو اپنے پیچھے ایک ایسی یادگار چھوڑ گیا جس کا برطانوی سامراج کوئی جواب نہیں دے سکتا لیکن آزادی پسند دنیا آنیوالے ہر دور میں اس پر فخر و مباہات کے ڈونگرے برساتی رہے گی۔

مسٹر پرائیس :۔ ہیلو! آپ چودھری افضل حق ہیں؟

چودھری صاحب :۔ جی ہاں! میں وہی ہوں۔

مسٹر پرائیس :۔ (طنز آمیز شرارت سے) اب تو آپ اِس جگہ بہت خوش ہوں گے؟

چودھری صاحب : (ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ) آیئے! مجھ سے جگہ تبدیل کر لیجئے۔ پھر آپ خود ہی جواب محسوس کر لیں گے۔"

ظاہر ہے کہ اس بیباکانہ جواب کا تو کوئی جواب نہ تھا۔ البتہ جملہ افسران بڑبڑاتے ہوئے ایک دم واپس ہوئے اور سیدھے جیل کی ڈیوڑھی میں پہنچے جہاں ڈپٹی کمشنر صاحب نے جو یہودی بھی تھے اور ایک آنکھ سے بے نیاز بھی۔ جیل کے رجسٹر میں درج کیا کہ جیل کے معائنہ میں چودھری افضل حق سیاسی قیدی کا رویہ چونکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سے گستاخانہ رہا ہے اس لئے ان کو عبرتناک سزا دینی چاہیئے تاکہ افسران کا وقار سلامت رہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے لئے اتنا اشارہ کافی تھا۔ آپ نے جھٹ سپرنٹنڈنٹ جیل کو مشورہ دیا۔ کہ چودھری صاحب موصوف کو باقی قیدیوں سے الگ کرکے تنہائی کی کوٹھڑی میں پابجولاں بند کر دیا جائے اور تین دن روزانہ چھ گھنٹہ کھڑی ہتھکڑی بھی لگائی جائے یعنی اگر قیدی نے گستاخی کا جرم کیا ہے تو اس کے مقابلہ میں تین سزائیں دی جائیں ا۔ قیدِ تنہائی ۔ ۲۔ بیڑی ۔ ۳۔ ہتھکڑی ۔

تیسری سزا کے سلسلہ میں جیل کے قانون کی روشنی میں یہ لازمی ہوتا ہے کہ سزا دینے سے پہلے قیدی کا معائنہ جیل کے ڈاکٹر سے پیشگی ہونا چاہیئے۔ لیکن ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے حکامِ اعلیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے مقدس جذبہ کے زیرِ اثر اس لازمی ہدایت کو بھی نظرانداز کرکے چیف وارڈ کو حکم نامہ بھیج دیا کہ وہ ان سزاؤں کی تعمیل کرائے۔ چنانچہ چودھری صاحب موصوف کو ہم سے جبراً علیحدہ کرکے تنہائی کی کوٹھڑی میں پابجولاں بند کر دیا گیا اور ساتھ ہی کوٹھڑی کے اندر آہنی جنگلے کے ساتھ کھڑی ہتھکڑی سے بھی باندھ دیا گیا۔ اِدھر یہ حالت تھی اُدھر جیل کے ڈاکٹر مسٹر بیزجی نامی اتفاق سے اس دن کسی نجی کام کی وجہ سے زیادہ عرصہ غیر حاضر رہے تقریباً چار بجے کے قریب جیل کے رجسٹر سے چودھری صاحب موصوف کی سزا کا علم ہونے پر گھبرائے سیدھے کوٹھڑی میں پہنچے اور موصوف کی حالت دیکھ کر کشاں کشاں دفتر واپس ہوئے۔ اور یہ دیکھ کر کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل مکان پر ہیں، وہیں پہنچے اور ان کو بتایا کہ اگر کھڑی ہتھکڑی کی سزا جاری رکھی گئی تو وہ چودھری صاحب موصوف کی زندگی کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ جب بات زیادہ بڑھی تو ڈاکٹر بیزجی نے اپنی رائے جیل کے رجسٹر پر ثبت کر دی مجبوراً ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ہتھکڑی کھولنے کا حکم دینا پڑا۔ لیکن اس عرصہ میں سزا اپنا کام کر گئی۔ یعنی دورانِ خون کے بند ہو جانے کی وجہ سے دایاں ہاتھ ہمیشہ کے لئے تحریر کے کاموں کے ناقابل ہوگیا۔ ہر چند مالش اور ٹیکے وغیرہ کا سہارا لیا گیا لیکن اس دن کے بعد سے چودھری صاحب موصوف بائیں ہاتھ سے تحریر کا کام ہرگز نہ لے سکے۔ اتنی بڑی شدید رکاوٹ سے یہ کوہِ استقلال ہرگز نہ گھبرایا اور بدستور

بائیں ہاتھ سے لکھنے کی مشق جاری رکھی۔ یہاں تک کہ بالآخر بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کی جگہ نعم البدل کے طور پر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ واضح رہے کہ چودھری صاحب کی تمام تر تصنیفات اس المناک حادثہ کے بعد کی تخلیق ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ چودھری صاحب کی جگہ ہمارے جیسا معمولی قوّتِ ارادی کا انسان ہوتا تو وہ ہمیشہ کے لئے معاشرہ پر بوجھ بن جاتا۔ لیکن چودھری صاحب موصوف کی غیر معمولی قوّتِ ارادی نے ایک ناممکن رکاوٹ پر بھی اس پامردی، حوصلے اور استقلال سے قابو حاصل کیا کہ بعد کی معروف زندگی اپنے پیچھے ایسے اَدبی، سیاسی اور اخلاقی جواہر پارے چھوڑ گئے جن کی روشنی آنے والی نسلیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستفید ہوتی رہیں گی۔

مرحوم تو کامیابی کے ساتھ اپنا فرض بجا لائے لیکن ہم بدقسمت ابھی تک نشانِ منزل کی طرف رواں ہیں اور عزیزی نصرت قریشی کے اس شعر کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں کہ :

کارواں کس کا سہارا ڈھونڈے
کوئی نقشِ کفِ پا بھی تو نہیں

(منقول از روزنامہ "آزاد" لاہور ۲ر فروری ۱۹۵۷ء)

لطیف انور گورداسپوری
لاہور

فسانۂ افضل حق رح

اے ضیائے بزمِ عالم اے چراغِ زندگی
تیری منزل منزلِ تقدیر سے کچھ کم نہ تھی
تیرا سینہ آئینہ سازِ محبّت تھا یہاں
تیری آنکھیں جلوۂ اُمید سے خالی نہ تھیں
تیری فطرت تیری حسرت تیرا غم تیرا ملال
تیری گردن غیر کے آگے کبھی جھکتی نہ تھی
تیرا ہر اک لفظ تھا شرحِ نکاتِ زندگی

تیرے نقشِ پا میں تھا گویا سراغِ زندگی
تیری خاکِ رہ گذر اکسیر سے کچھ کم نہ تھی
تیری خاموشی میں اندازِ محبّت تھا یہاں
کیا کمندیں آسمانوں نے یہاں ڈالی نہ تھیں
شورشِ ہستی میں تھا فکرِ حقیقت کا مآل
نبضِ دشمن کیا تری تحریر سے رکتی نہ تھی!
تیری مرگِ بے محابا تھی ثباتِ زندگی

افضلِ حق، حق شناسائے زمانہ زندہ باد
اک حقیقت ہے یہاں تیرا فسانہ زندہ باد

آغا شورش کاشمیری

چوہدری افضل حق سے میری پہلی ملاقات

۱۹۴۲ء میں مسٹر کے ایل گابا لاہور سنٹرل جیل میں اسیر تھے اور میں بھی اپنی طویل قید یہیں گذار رہا تھا ایک دن شام کو سیر کے وقت چودھری صاحب کا ذکر آگیا۔ میں نے دریافت کیا۔ گابا صاحب چودھری صاحب کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے ___ ؟ بولے "افضل حق ایک دوررس مدبّر تھا۔ میں نے جب بھی مرحوم سے باتیں کیں تو ان میں تدبّر و دانائی کی گھلاوٹ کو پایا ___ وہ بہت جلد اپنے مخاطب کو رام کر لیتے تھے"۔ دل کے معاملات بھی عجیب ہیں، اڑ جائے تو پہاڑ غبار راہ ہیں، اور ہر جائے تو اگ نگاہ جیت لیتی ہے۔ چودھری صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی، ظاہری طور پر اس وقت ان میں کشش کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ روکھا پھیکا چہرہ، بیماری نے انہیں وقت سے پہلے کہولت کے دور میں داخل کر دیا تھا!

چودھری افضل مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۶ جنوری ۱۹۳۸ء کو ہوئی!

آپ دفتر احرار میں ایک نیم شکستہ چارپائی پر تکیہ کے سہارے نیم دراز تھے۔!

اس دن مسجد شہید گنج کا مرافعہ پنجاب ہائی کورٹ سے خارج ہوا تھا، اور نتیجتاً لاہور کے مسلم نوجوانوں میں ایک طرح کا وقتی ہیجان تھا۔ میں انارکلی بازار سے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ ڈاکٹر لال دین صاحب رشتی جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام لاہور بازار کے نکڑ پر مل گئے اور کہا:

" چودھری صاحب یاد فرما رہے ہیں"

"مجھے" ؟

"ہاں" انہیں کچھ بات کرنا ہے:

میرے لئے یہ بلاوا معمہ بھی تھا اور اچنبھا بھی! معمہ اس لئے کہ میرا تعلق اب تک ایک ایسی جماعت سے تھا جو احرار کی تخریب کو اپنا مقصد بنا چکی تھی اور اچنبھا اس خاطر کہ مجھے ہونے والی بات کا اور چھور معلوم نہ تھا میرے دماغ میں فکر و خیال کی متضاد و متضاد لہریں اٹھیں میں نے مکرّر پوچھا:

"خیریت تو ہے"

"ہاں وہ صرف تازہ صورت حالات پر چند باتیں پوچھنا اور طے کرنا چاہتے ہیں"،

اس وقت کہاں ہوں گے ؟

"دفتر احرار میں"

میں ڈاکٹر لال دین صاحب رشی کی معیت میں دفتر احرار پہنچا تو چودھری صاحب کے گرد چند نوجوان جمع تھے۔ شگفتہ چہروں کے سرخ پوش نوجوان!

چودھری صاحب نے ایک اختیاری مسکراہٹ کے ساتھ جو اکثر سیاست دان حزب مخالف کے افراد سے بالمشافہ گفتگو کے مواقع پر پیدا کرلیا کرتے ہیں، مزاج پرسی کی اور اپنی چارپائی کی طرح ٹوٹی ہوئی کرسی پر جو پاس ہی رکھی تھی۔ بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔

اتنے میں وہ نوجوان جوان کے پاس اکٹھے تھے اٹھے اور ہماری نشست گاہ کا دروازہ بند کرکے ساتھ والے کمرہ میں چلے گئے، میں نے اس وقت نوٹ نہیں کیا۔ البتہ بعد میں مجھے خیال ہوا کہ ان گہری سوچتی ہوئی آنکھوں کا ایما تھا، جو اکثر ایک عمیق تفکر کی چغلی کھایا کرتی تھیں۔

"حادثہ مسجد شہید گنج"۔ مولانا ظفر علی خان" صوبائی انتخاب کا پس منظر، یونینسٹ وزارت" مسلم لیگ" اور مسٹر جناح" ہماری گفتگو کا محور یہی عنوان تھے۔ ان کی بیٹھی ہوئی آواز میں کوئی ترنم نہ تھا۔ لیکن الفاظ اتنے نپے تلے اور منجھے ہوئے تھے کہ ہر فقرہ میں ایک پختہ مغز سیاسی رہنما کا تشخص جھلکتا تھا۔ ان میں ایک خاص عادت تھی کہ وہ مخاطب کی باتیں سنتے زیادہ تھے، اور خود کم گو تھے۔ البتہ ایک نفسیاتی انسان ان کی پیشانی پر بنتے بگڑتے تیوروں سے اس امر کا اندازہ کر لیتا تھا کہ اس وقت دماغ کے اثرات کا رنگ کیا ہے، اور ان کی نگاہوں کے تجزیۂ خاموشی کی کیفیت کیا ہے۔

کوئی تین گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں اس عرصہ میں چودھری صاحب زیادہ سے زیادہ چالیس پینتالیس منٹ بولے ہوں گے لیکن انکی بات کا رنگ استفہامی تھا وہ اپنے جواب کو بھی استفہامیہ صورت میں ختم کرتے تھے، جس سے مخاطب کے ذہن کی پرستش خود ایک جوابی الجھن میں پھنس جاتی اور وہ سمجھنے لگتا کہ اسکے خیال کا ہر حلقہ خود اس کے لئے ایک زنجیر بنتا جارہا ہے۔

دوسروں کی طبیعت کے تاثرات بیان کرنا انتہائی مشکل ہے، اور پھر اس صورت میں جب کہ انسانی طبائع

کی بوقلمونی ایک ہی شخصیت اور ایک ہی منظر سے "تأثرات واحدہ" حاصل نہیں کر سکتی اور نہ کبھی آج تک ایسا ہوا ہے۔ میرا مشاہدہ چودھری صاحب کے متعلق یہی تھا جو پہلی ملاقات میں "تأثر" ــ اگلی مسلسل صحبتوں میں "تجزیہ" ــ اور آہستہ آہستہ یقین بن گیا۔

چودھری صاحب! مسلمان قوم سے تمسخر کی حد ہو چکی ہے۔" میں نے دوران گفتگو میں عرض کیا۔

نہیں، میرے عزیز مسلمان قوم خود ایک تمسخر بن گئی ہے۔"

کیا اس حالت کے ذمہ دار مسلمان عوام ہیں؟

تو کیا تقدیر کے "مفروضات" کا نوشتہ ہے ــ؟

یہاں سے بات چیت کا رخ ڈاکٹر اقبالؒ کے اشعار کی طرف مڑ گیا، میں نے کہا علامہ اقبال بھی تقدیر کے مشرقی "عقیدہ" بالخصوص اس عقیدے سے جو مسلمان عوام میں جڑ پکڑ چکا ہے، سخت نالاں تھے، اور غالباً انہوں نے "ارمغانِ حجاز" میں ابلیس کی مجلس شوریٰ کے تحت اس "علت غلامی" پر طنز بھی کی ہے۔"

عزیز جب قومی غیرت کا احساس اٹھ جاتا ہے، تو دماغ و دل چٹانوں کے انجماد سے زیادہ بے حس ہو جاتے ہیں، اور انہیں محض طنزیں نہیں ہلا سکتیں۔"

چودھری صاحب! کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں تبدیل ہونے کی خواہش پیدا ہو چلی ہے"

ہاں! یہ ٹھیک ہے، لیکن محض خواہش سے کچھ نہیں بنتا۔ قومیں "ارادے" سے بنتی ہیں۔"

جی ہاں! اقبالؒ نے بھی لکھا ہے ع

"کچھ ہاتھ نہیں آتا بے جرأت رندانہ"

استنے میں صوفی عنایت محمد صاحب پسروری تشریف لے آئے اور گفتگو کا دھارا بدل گیا، صوفی صاحب کے الفاظ گرم تھے اور چودھری صاحب کے لہجہ میں حلم! معاً میرا خیال ان ایام کی طرف پلٹا۔ جن دنوں پنجاب اسمبلی کے انتخابی نتائج نکل رہے تھے۔

ہم چند دوست ڈاکٹر شیخ محمد عالم کی کوٹھی پر ایک عصرانہ پر جمع تھے اور بے عنوان باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا محمد اسحاق مانسہروی کو گلا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے کانگریس میں شرکت کا اعلان فرما کر غلطی کی ہے، اور ان کے اس فیصلہ سے مسلمان ناخوش ہیں۔ ڈاکٹر عالم کے بیان سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنے اقدام میں حق بجانب ہیں اور انہوں نے یہ فیصلہ فراست و دیانت سے کیا ہے۔

قبلہ! سیاست گلی ڈنڈے کا کھیل نہیں اس میں بہت سی ٹھیکریں اٹھانی پڑتی ہیں اس برے وقت میں چپ ہی بھلی۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں، میرا کانگرس میں جانا مصلحت سے خالی نہیں، شہید گنج کی بازیابی — آ ہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب نے نہایت مؤدب لہجہ میں مولانا محمد اسحاق مانسہروی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور ٹیلیفون اٹھا کر یونائیٹڈ پریس کو رنگ کیا۔

"میں ڈاکٹر عالم بول رہا ہوں، کہئے چودھری افضل حق احرار لیڈر کا انتخابی نتیجہ نکل آیا ہے۔"

"اچھا تو میں آدھ گھنٹہ تک دوبارہ فون کروں گا۔ اس سے پہلے تار آجائے تو مجھے اطلاع کیجئے شکریہ!"

ڈاکٹر صاحب نے بعد میں دو تین دفعہ فون کیا، لیکن ہر بار یہی جواب ملتا۔ ابھی نتیجہ کا انتظار ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ایک موکل سے بات کرنے کے لئے ملحقہ دفتر میں چلے گئے اور مجھے کہا "شورش! بھئی ذرا ٹیلیفون پر دھیان رکھنا"

میں کوئی نفسیاتی ماہر نہیں اور نہ اس رخ سے انسانی مطالعہ میری عادت ہے کیونکہ ایک سیاسی ورکر ہونے کے باوجود میری عادات میں شاعرانہ اضطراب زیادہ ہے، اور اب بھی مجھے طوق وزنجیر کی بجائے زلف و گیسو کی تلخیاں زیادہ ستاتی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے چہرہ ونگاہ میں اس استفسار کی خلش نے کچھ خاص کیفیتیں پیدا کر دی تھیں میں دیکھ رہا تھا، ان کے ذہن میں کوئی کشمکش نشتر بن کر چبھ رہی ہے اور آنکھوں کے عقب میں ایک خاص جستجو چھپی بیٹھی ہے جانے میرے دل میں کونسا خیال آیا۔ میں نے خود ٹیلیفون کیا اور

"چودھری افضل حق کا نتیجہ"

"بہت اچھا"

"کے ووٹ حاصل کئے ہیں"

ڈاکٹر صاحب جلدی سے اٹھ کر میرے پاس آگئے "کیوں؟ کیا نتیجہ نکلا ہے"

میں نے محض ایک دبے خیال سے، جس کی صحیح ہیئت اس وقت میرے ذہن میں نہیں کہا اور "ڈاکٹر صاحب افضل حق کامیاب ہوگیا!"

"ہیں!" ڈاکٹر صاحب نے جلدی سے رسیور میرے ہاتھ سے لیا، اس وقت ان کی حالت سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ کسی ہوش رُبا صدمے میں گھر گئے ہیں۔

افضل حق ۔۔۔ ۔۔۔ شکست

نصر اللہ خان ۔۔۔۔ کامیاب

ڈاکٹر صاحب کرسی سے اچھل پڑے اور بچوں کی طرح پھلانگنا شروع کر دیا۔

"قبلہ! (مولانا اسحاق مانسہری سے) اٹھیئے معانقہ کریں، اس لڑکے نے تو میری جان نکال دی۔ افضل حق اور کامیابی ۔۔۔۔ ناممکن"!

وہاں چھ سات دوست اور بھی تھے اور ان میں تین چار ایم۔ ایل۔ اے تھے، سب مسرور و خنداں! افضل حق کی شکست اور قہقہے۔ آخر کیوں؟ پہلی بار اس سوال نے میرے دماغ میں سر اٹھایا اور آخر اس کا جواب ان لمحوں میں ملا۔ جب صوفی عنایت محمد پسروری چودھری صاحب سے بحث میں الجھے ہوئے تھے اور میں مجربات کی ایک لمبی کہانی کا پس منظر ڈھونڈھ رہا تھا۔

دل کے معاملات بھی عجیب ہیں، اڑ جائے تو پہاڑ غبار راہ ہیں، اور ہر جائے تو اک نگاہ جیت لیتی ہے۔ چودھری صاحب سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ ظاہری طور پر اس وقت ان میں کشش کا کوئی شائبہ نہ تھا، روکھا پھیکا چہرہ، بیماری نے انہیں وقت سے پہلے کہولت کے دور میں داخل کر دیا تھا اور جیسا کہ واقعات ہیں اکثر یہ جان کر کہ، افضل حق یہ ہیں اس پر متعجب ہوتے تھے شاذ و نادر ایسا بھی ہوا کہ لوگوں نے انہیں افضل حق کا ملازم سمجھا۔ حکیم غوث محمد صاحب راوی ہیں کہ دفتر احرار میں جب پہلی دفعہ خالد لطیف گابا آئے تو انہوں نے پوچھا چودھری افضل حق کہاں ہیں؟ چودھری صاحب نے فرمایا۔ ارشاد! اس احقر ہی کا نام افضل حق ہے۔" گابا کے دماغ میں زعیم احرار کا کچھ اور ہی نقشہ تھا، دوبارہ پوچھا۔

"میں احرار لیڈر چودھری افضل حق کی بابت پوچھ رہا ہوں"۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا مخاطب ہی زعیم احرار ہے تو وہ ششدر ہوئے غالباً انہیں اب بھی قیاس تھا کہ رضاکار غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں مسٹر گابا لاہور سنٹرل جیل میں اسیر تھے، اور میں بھی اپنی طویل قید یہیں گزار رہا تھا۔ ایک دن شام کو سیر کے وقت چودھری صاحب کا ذکر آ گیا۔ میں نے دریافت کیا گابا صاحب چودھری صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

بولے! افضل حق ایک دور رس مدبر تھا۔ میں نے جب بھی مرحوم سے باتیں کیں تو ان میں تدبر

و دانائی کی گھلاوٹ کو پایا　　　　وہ بہت جلد اپنے مخاطب کو رام کر لیتے تھے۔"

میرا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا واقعہ ہے کہ تحریک مسجد شہید گنج کے ثانوی دَور میں جب مولانا مظہر علی اظہر نے سول نافرمانی کا آغاز کیا، اور خود جیل چلے گئے تو مولانا ظفر علی خان کے مکان پر چند دوستوں کا اجتماع تھا چودھری افضل حق صاحب بھی مدعو تھے اور غالباً انہیں کسی درمیانی "مفاہمت" کی خاطر بلایا گیا تھا۔ مولانا ظفر علی خان کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ گفتگو میں ایک سیاسی رہنما کی بجائے صحافی و شاعر کا لب ولہجہ اختیار کرتے تھے جس طرح غزل میں مضمون کا تسلسل نہیں ہوتا، اسی طرح انکی باتیں بھی خیالات کی مختلف دھاریں ہوتی تھیں، وہ بات سے بات پیدا کرنے کے عادی نہیں تھے، بلکہ بات میں بات داخل کرنا ان کی عادت تھی، اور پھر انہیں الفاظ کے ذخیرہ پر مدبرانہ قابو نہیں تھا کہ کونسا لفظ کہاں سیاسی مطالب ادا کر سکتا ہے۔

وہ چودھری صاحب سے پون گھنٹہ گفتگو کرتے رہے، زبان صاف، محاورہ درست، فقرے چوکس گفتار میں روانی، تلفظ صحیح، کیا مجال جو کہیں بھی "بینجا بیت" کا گمان ہو لیکن مرحوم چودھری صاحب انہیں زیر بحث مضمون میں اس ڈھب سے گرفت کرتے کہ مولانا منہ تکتے رہ جاتے، چودھری صاحب کا ہر فقرہ سوچا اور سمجھا ہوا تھا اور پھر جب وہ بولتے تھے تو ان کی آنکھیں ایک فاتحانہ یقین سے چمک اٹھتی تھیں۔

خیر یہ تو ایک دوبدو گفتگو کا جائزہ اور ذکر ہے، چودھری صاحب کے کٹر مخالف بھی ان کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کر رہے ہیں　　　　! اس روز چودھری صاحب اور ہمارے لیئے میرے اور صوفی بھائی کے درمیان طویل بات چیت رہی اور کئی امور زیر بحث آئے　　۔ انہیں بزعم خویش الفاظ کے طلسم خانہ میں گھیرنا چاہتا تھا، اور وہ مجھے چھوٹے چھوٹے فقروں میں سمجھا رہے تھے کہ حقیقت الفاظ کے انبار سے الگ ہوتی ہے ــ وقت کافی بیت چکا تھا۔ میں نے کل کے وعدے پر اجازت چاہی گھر پہنچا تو میرا دماغ مفتوح تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ شخص جس کی جماعتی مخالفت میں دو سال بسر ہوئے ہیں، ان تین چار گھنٹوں کی پہلی ملاقات ہی میں میرے دل و دماغ کو متاثر کر چکا ہے ــ!

اور شائید یہی وہ اولین تاثرات تھے جنہوں نے مجھے ڈیڑھ سال قید کے دوران میں غور و فکر کی صورت اختیار کر کے احرار میں شمولیت پر مجبور کر دیا ــ!

(منقول از روزنامہ نوائے پاکستان لاہور
افضل حق نمبر، ۲۰ر جنوری: ۱۹۵۷ء)

مولانا مظہر علی اظہر

چودھری افضل حق میری نگاہ میں

قوموں اور جماعتوں کی حکمرانی کے مقابلہ میں ملت وملک کی فلاح کا دم بھرنا کسی انفرادی کوشش کا کام نہیں، اس کے لئے مقصد پر یقین رکھنے والی حصولِ مقصد کے لئے قوت عمل کو لازمی جاننے والی، اور عمل پیہم کو وظیفہ حیات بنانے والی قومیں یا جماعتیں ہی مفید ہو سکتی ہیں۔

چودھری افضل حق مرحوم نے اپنی زندگی کے بہترین ایام میں اپنی مسلسل قوتِ عمل کے ذریعے قوم کو درسِ حیات دیا۔ لیکن جو قوم اصول کو مان کر بھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہو، وہ محض باتیں بنا کر ہی وقت گذارنا چاہتی ہے۔ آج بھی بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو ہمارے ملک کی ملی وملکی سیاست کو زندگی کا مشغلۂ تفریح سمجھتے ہیں۔

آج ہم چودھری افضل حق صاحب مرحوم کو ان کی وفات کے تقریباً پندرہ سال بعد یاد کر رہے ہیں۔ اور اس میں کسی کو کم ہی کلام ہوگا کہ انہیں یاد کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مرحوم کی زندگی میں جو چیزیں دوست اور دشمن کی نظر سے اوجھل تھیں۔ آج ان کی قدر محسوس ہو رہی ہے۔ مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلو ان کی وفات کے بعد پہلے سے زیادہ واضح اور روشن نظر آنے لگے ہیں اپنی زندگی میں وہ ایک محنت کش اور مجاہد سپاہی تھے، انہوں نے سرکاری ملازمت کے مختصر سے دور کو ملی وملکی مفاد پر نگاہ رکھتے ہوئے ختم کر دیا، اور دنیاوی ترقی کے اس ذریعہ کو ترک کیا۔ جو کئی پشتوں سے مسلمانان ہند کے لئے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا معراجِ زندگی ہے۔

اگر وہ پولیس کی ملازمت میں ترقی کرتے تو دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال ان کا حصّہ ہوتا، اور ان کی زندگی افلاس وغربت کے اس دور میں بسر نہ ہوتی، جس میں اس کے بیشتر ایام کاٹے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وفات حسرت آیات کے چار سال بعد ترقی یافتہ پولیس افسر کو یاد کرنے والوں میں کسی قریبی رشتہ دار کے سوا جسے ان کی ذات گرامی سے خاص وابستگی ہوتی اور کوئی شخص کہیں مشکل سے

ہی نظر آتا۔

دنیاوی ترقی کے رواجی دور کو بچ کر مرحوم نے اپنی زندگی کو ملت و ملک کی فلاح وبہبود کے لئے وقف کیا اور ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۴۲ء کے اوائل ایام تک جب کہ انہوں نے اپنی جان کو جان آفرین کے حوالے کیا انہوں نے اپنے دن اپنی مستقل دھن میں گذارے۔ انہوں نے اپنے کردار سے واضح کیا کہ غیر حکومت کا کارندہ بن کر دوسروں کو جیل میں بھیجنے سے قوم کا کارندہ بن کر جیل میں جانا بہتر مقصد حیات ہے۔ بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ اس طرح اپنی زندگی کو مصیبت میں ڈالنے سے کیا فائدہ! لیکن یہ ذہن وہی ہے جو غلامی پر قناعت کر کے بیٹھ چکا ہے اور جو یہ چاہتا ہے کہ اسے بادشاہت کی بھیک بیگانوں کی طرف سے مانگتے ہی مل جائے لیکن آج کل کے زمانہ میں جب کہ انفرادی بادشاہت کا دور نہیں رہا بلکہ اس کی جگہ قوموں اور جماعتوں کی بادشاہت نے لے لی ہے کسی حکمران قوم یا جماعت سے بادشاہت کی بھیک کی توقع رکھنا بالکل بے کار ہے انفرادی بادشاہت کے دور میں بھی باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے لڑ جاتا تھا مگر کبھی کبھی کوئی بدھو بادشاہت کو بخش بھی دیتا تھا۔ آج دنیا میں کسی جگہ کوئی بدھو حاکم مطلق نہیں ہے اور نہ کسی ایک شخص کی رائے سے حکومت کے رتبہ کو سکیڑا جا سکتا ہے قوموں اور جماعتوں کی حکمرانی کے مقابلہ میں ملت وملک کی فلاح کا دم بھرنا کسی انفرادی کوشش کا کام نہیں اس کے لئے مقصد پر یقین رکھنے والی، حصول مقصد کے لئے قوتِ عمل کو لازمی جاننے والی، اور عمل پیہم کو وظیفۂ حیات بنانے والی قومیں یا جماعتیں ہی مفید ہو سکتی ہیں۔

چودھری افضل حق مرحوم نے اپنی زندگی کے بہترین ایام میں اپنی مسلسل قوت عمل کے ذریعے قوم کو درس حیات دیا لیکن جو قوم اصول کو مان کر بھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ محض باتیں بنا کر ہی وقت گذارنا چاہتی ہے آج بھی بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو ہمارے غلام ملک کی ملی و ملکی سیاست کو زندگی کا مشغلۂ تفریح سمجھتے ہیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ غلامی پر قانع ہیں اس لئے انہیں تفریحی سیاست سے دلچسپی ہے اور وہ اس سے آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکتے مگر جن لوگوں نے حقیقی ضرورتوں کو پہچانا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرحوم افضل حق کی طرح زندگی صرف کئے بغیر حقیقی خدمت اور آزادئ ملک و ملت کا کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

پس مرحوم کی زندگی سے جو بہترین سبق حاصل کیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ آزادی کی جدوجہد تفریحی مشاغل سے کامرانی کے منازل طے نہیں کر سکتی اس کے لئے جان کو جھوکھوں میں ڈالنے کی ضرورت ہے۔ زندگی کے پیہم عمل کے ساتھ مرحوم نے اپنی زبان سے بیس برس درس حیات دیا مگر آج اس بیست سالہ درس کے بہت کم فقرے محفوظ نظر آئیں گے اس کا اختر تو کم وبیش کہیں کہیں دکھائی دے گا، مگر وہ بھی جستجو کرنے پر۔ مرحوم کو اس امر کا خوب

احساس تھا۔ ان کی کیف آور تقریریں لاکھوں انسانوں نے سنیں اور ان سے اثر قبول کیا مگر آج باسی واہ واہ کے سوا ان کی یاد بہت کم موجود ہے۔ تقریر کے محدود اثر کو محسوس کر کے ہی مرحوم نے اپنی عملی زندگی کے اوائل ایام سے اپنی نوکِ قلم کو جنبش دی اور یلوح الخط فی القرطاس دھرًا یعنی تحریر کاغذ پہ مدوں تک تابانی دکھاتی ہے کے پیشِ نظر اپنی پہلی جیل کی یاد کو "دنیا میں دوزخ" کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

بہت سے قیدی جیلوں سے ہو آئے لیکن ان کی زندگی کے حالات اور ان حالات سے جو جو سبق حاصل ہو سکتے ہیں وہ اِدھر اُدھر کی زبانی باتوں کے سوا کسی وسیع پیمانہ پر موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باعثِ نصیحت و عبرت نہیں بن سکتے مرحوم نے نہ فقط خود اپنے قلم کو ہلایا بلکہ انہوں نے اپنے رفقاء سے بھی ہمیشہ تاکید کی کہ وہ زبان کے ساتھ یا اس کے بجائے قلم کو اپنا رفیقِ کار بنائیں تو پائیدار اور وسیع نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے رفاقتِ قلم کو بسترِ علالت پہ بھی بہت کم جواب دیا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں خاص محنت سے اپنے خیالات کا آئینہ دنیا کے لئے مہیا کر دیا۔

آج افضل حق کی تقریر سننے کے لئے دنیا نہیں آتی اور کبھی نہیں آئے گی۔ لیکن جدھر جاؤ ان کے سپردِ قلم کئے ہوئے فقرے جو ان کی محنت سے کاغذ تک پہنچے، آج ان کے قارئین کی محنت سے ان کے عقیدت مندوں کا جوہرِ زبان بنتے ہیں اور بسا اوقات یہ جوہر پھر رحمت بے حساب بن کر سامعین کے کانوں کو کان گیر بنا دیتے ہیں لوگ ان کے فقروں کو دوسروں کی زبان سے سنتے ہیں اور وجد میں سر دھنتے ہیں۔

خطابت کا دور زبان کے رکنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر کتابت کا دور نئی زبانوں کو وراثت میں ملتا ہے اور ہر کوئی اپنے زورِ کتابت سے قوام کر کے خیالات کے دائرے کو وسیع تر کرنے کا موقع پاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ افضل حق کی موت کو یاد کرنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں تو ان کی زبان پر بے ساختہ

"افضل حق زندہ باد کا نعرہ آجاتا ہے"

علامہ انور صابری

فقیر عالی وقار

حیاتِ افضل حق کو پڑھ کے انور یہ راز سمجھا دماغ میرا
زعیم فطرت شکار بھی تھا ادیب جادو نگار بھی تھا
دل و جگر کی حرارتوں میں حرارتِ قلب زندگی تھی
فقیر عالی وقار بھی تھا غریب کا غمگسار بھی تھا

چودھری افضل حقؒ اور حقہ نوشی

اخبارِ جہاں کے کالم نگار محترم نصر اللہ خان
کی خدمت میں ایک وضاحتی مکتوب

محترمی جناب خان صاحب!

میں اخبارِ جہاں کے باقاعدہ مطالعہ کرنے والوں میں سے نہیں۔ اگر کوئی پرچہ سامنے آجائے تو اس میں اپنی پسند کے مضامین پڑھ لیا کرتا ہوں!

اگلے روز ۳/۹ ستمبر سنہ ۹۱ء کا پرچہ اتفاقیہ میری نظر سے گزرا۔ آپ کے کالم "بات سے بات اقبال کے بارے میں" کا میں نے تمام و کمال مطالعہ کیا۔

حقے کے ضمن میں چودھری افضل حق مرحوم کا اسم گرامی دیکھ کر مجھے خاصی حیرت ہوئی، چودھری صاحب مرحوم کی کوئی کتاب (چھوٹی یا بڑی) آپ اٹھا کر دیکھیں تو اس میں حقہ پینے کی مخالفت میں اچھا خاصا مواد موجود پائیں گے۔ اس کے باوجود چودھری صاحب کو حقے کا شوقین بتانا ارشاد خداوندی

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

کے موردِ عتاب ٹھہرانا ہے۔ (العیاذ باللہ العظیم!)

میں سنہ ۱۹۳۴ء سے تا ایں دم مجلس احرارِ اسلام سے منسلک چلا آ رہا ہوں، قائدینِ احرار میں شیخ حسام الدین صاحب مرحوم کے علاوہ اور کوئی حقے کا رسیا نہ تھا۔ البتہ آپ کے ہم نام نوابزادہ نصر اللہ خان کچھ عرصہ مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ پر فائز رہنے کے ساتھ ساتھ اخبار "آزاد" وغیرہ کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ لیکن دفتر میں ان کی مستقل رہائش نہ ہونے کی وجہ سے ان کا سکہ بند حقہ بھی ان کی اپنی قیام گاہ پر رہا ہوگا۔

تقسیم برصغیر سے دو تین سال ادھر کی بات ہے کہ مرکزی دفتر لاہور میں شیخ حسام الدین مرحوم کی زیر صدارت

مجلس احرار کی جنرل کونسل کا اجلاس دفتر کی بالائی منزل میں جہاں چودھری صاحب مرحوم کی اہل وعیال سمیت مستقل رہائش ہوا کرتی تھی انعقاد پذیر ہوا۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہونے والا ہی تھا کہ شیخ صاحب کا خادم حقہ لے کر آیا اور ان کے آگے رکھ کر چلا گیا۔ اس پر اور تو کسی نے اعتراض نہ کیا۔ البتہ میری رگِ حمیت پھڑکی اور شیخ صاحب کے علوِ مرتبت اور اپنی رضاکارانہ حیثیت کا خیال نہ کرتے ہوئے کھڑے ہو کر صدر گرامی کی اجازت سے انہیں مخاطب کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے :-

"کیا میں جناب سے دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ حُقّۂ معلّیٰ چودھری صاحب مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کرنے کی غرض سے منگوایا ہے؟"

یہ کہہ کر میں ابھی بیٹھا نہ تھا کہ شیخ صاحب نے اپنے خادم "اسمٰعیل کو آواز دے کر بلایا اور فرمایا کہ یہ اٹھا کر لے جاؤ"۔ اور معًا اجلاس کی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ اس کے بعد کبھی دفترِ مجلس میں حقہ نہیں دیکھا گیا۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں امید کرتا ہوں کہ آپ ریکارڈ کی درستی کی غرض سے اسے شائع فرمادیں گے۔

والسلام مع الاکرام

محمد حسن چغتائی — (مکہ مکرمہ)

فیض احمد فیض

چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود

نا محرمے چوں محرمِ اسرار می شود
ہم شیوۂ قبیلۂ احرار می شود

صد گونہ ارجمند کند بند و دام را
مرغِ خجستہ پا چوں گرفتار می شود

کارِ سفر بآبلہ پائی شود رواں
ہر نوکِ خار تیزیٔ رفتار می شود

احساسِ درد ذوقِ طلب را کند فزوں
نشتر اگر بدل نہ خلد خار می شود

ہر آئنہ باوج رسد مردِ راست گو
"چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود"

مولانا غلام رسول مہر رح

پیکرِ عزیمتؒ

چودھری افضل حق مرحوم کا نام زبان پر آتے ہی ایک ایسی شخصیت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، جو فکری، اخلاقی اور عملی خوبیوں کی جامعیت کے لحاظ سے اپنی زندگی میں بھی بہت ممتاز سمجھی جاتی تھی اور اب تو یہ خوبیاں انفرادی حیثیت میں بھی بہت ہی کم پائی جاتی ہیں، ان کی جامعیت کا خزینہ کہاں ملے گا؟ زمانے کے اوضاع و اطوار بدل گئے فکر و نظر کے زاویوں میں حد درجہ ربع افسوس ناک تغیر پیدا ہو گیا، تربیت کے وہ سانچے ہی باقی نہ رہے، جن میں چودھری صاحب جیسے بلند پایہ افراد ڈھلتے تھے۔ قومی خدمت کے اِن تصوّرات کا شیرازہ ہی بکھر گیا جن کا پرچم چودھری صاحب مرحوم اور ان کے رفقاء ربع صدی سے زیادہ مدت تک ملک کی فضا میں انتہائی بلندیوں پر اُڑاتے رہے۔ اب تو ایسی شخصیتوں کی داستان کا سر رشتہ بیان سنبھالتے ہوئے بھی سو مرتبہ تامل ہوتا ہے کہ جو کچھ سنانا ہے، اسے سننے اور سمجھنے والے بھی بڑی حد تک ناپید نظر آتے ہیں۔ جن خوبیوں کو روزِ اول سے قوم کی عظمت و برتری کے محکم و پائدار معیار سمجھا جاتا تھا اور حصول آزادی کے بعد جن کی عمومیت و فراوانی کے لئے اُمیدیں اور آرزوئیں چشم براہ تھیں، وہ اِس طرح گم ہو گئیں کہ تلاش و جستجو کے چراغ لے کر ان کا کھوج لگانے کی ہمت بھی مضمحل ہو کر رہ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حالت میں کیا لکھا جائے، کیا سنایا جائے، اور کیا عرض کیا جائے۔

شانِ عزیمت: چودھری صاحب مرحوم اس زمانے میں ایک اچھی ملازمت چھوڑ کر قومی اور ملکی خدمت کے میدان میں آئے تھے، جب اس وسیع ملک کے اندر جو اب دو آزاد مملکتوں میں بٹا ہوا ہے، اجنبی حکومت کے خلاف ایک غیر معمولی طوفان بپا ہوا تھا اور اس کے چپّے چپّے میں اخلاص و ایثار کے چشمے اُبل پڑے تھے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہو گا کہ فضا بالکل ساکن ہے۔ ہوا کی بندش کا یہ حال ہے کہ ایک پتّا بھی ہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ پھر یکایک ایک شدید آندھی آجاتی ہے جو ذرّے ذرّے میں قیامت کی جنبش پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ترک موالات کی تحریک تھی، جس نے اچانک ہمہ گیر بیداری اور بے پناہ آزادی کا جوش و خروش

پیدا کردیا۔ یہی زمانہ ہے جس میں چودھری صاحب مرحوم نے پولیس کی افسری چھوڑی، جو شخص خود جرائم کی تفتیش اور قانون شکنوں کی چھان بین کے بعد ملزموں کو ہتھکڑیاں لگا کر عدالتوں میں پیش کیا کرتا تھا۔ وہ خود اس منصب حکم و اختیار کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہننے کے لئے تیار ہو گیا۔ تاکہ یہ ملک اجنبی اقتدار کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے نجات حاصل کر سکے۔ آج دو قرن کی مدت گزر جانے کے بعد اس واقعہ کو ایک کہانی کے طور پر پیش کیا جائے تو ہر شخص اس کی اہمیت کا اندازہ شائد نہ کر سکے۔ لیکن ۱۹۲۱ء میں یہ بہت بڑی عزیمت کا اقدام تھا۔ عزیمت کے ایسے ہی اقدامات تھے جن کی کرشمہ فرمائیوں نے کلیۃً بن کر آزادی کے بند دروازے کھولے۔

چودھری صاحب ایک خوشحال گھرانے کے چشم و چراغ تھے پھر معقول سرکاری ملازمت پر فائز ہو گئے تھے۔ اطمینان و فارغ البالی کی زندگی میسر تھی۔ وہ اپنی مشغولیت جاری رکھتے تو بڑے منصب پر پہنچ کر وظیفہ لیتے لیکن ان کے درد مند دل نے ذاتی اطمینان کو قومی و اجتماعی بے اطمینانی پر مقدم رکھنا گوارا نہ کیا۔ قومیں ایسے ہی افراد کی بدولت عزت و اکرام کے تاج پہنتی ہیں جو اجتماعی بہبود کے لئے اپنی ہر شے بے تکلف قربان کر دینے پر آمادہ ہوں۔ جس قوم میں ایسے افراد کی متاع عزیز فرومایہ رہ جائے، سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی تقدیر کے ستارے کا چراغ بجھنے والا ہے۔

جہادِ آزادی: اس وقت سے چودھری صاحب نے اپنی زندگی قوم و ملک کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ انہوں نے اس دور میں بندش و اسیری کی سختیاں صابرانہ برداشت کیں۔ جب اس میدان میں قدم رکھنا انہی جلیل القدر افراد کا کام تھا۔ جن کے ارادے بلند ہمتیں استوار، عزائم محکم اور دل الیقین کی روح سے معمور تھے۔ جو جانتے تھے کہ اجنبی اقتدار کی سنگینی کو توڑنے کی صورت ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے بے باکانہ ٹکرایا جائے اس پر پے در پے ضربیں لگائی جائیں۔ اگرچہ اس جہاد میں ہاتھ پاؤں اور پیشانیاں جراحت زار بن جائیں۔ چودھری صاحب مرحوم نے یہ قومی اور مذہبی فرض جس شان سے ادا کیا۔ وہ ہماری تاریخ آزادی کا ایک نہایت درخشاں باب ہے۔ ممکن ہے آج ایسے بلند پایہ مجاہدوں کی پرُ اخلاص خدمت گزاریوں کا صحیح احساس بہت کم اصحاب کو ہو لیکن اس سے ان کے جہاد کی عظمت کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ وہ لوگ دنیا کے اعتراف و ستائش سے یکسر بے نیاز تھے اور جو دل بلند مقاصد کے عشق و شیفتگی میں گم ہوں۔ ان میں اعتراف و ستائش کی طلب کے لئے گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔ البتہ جو قوم ایسے محسنوں کی یاد سے غافل ہو جائے اس پر یقیناً افسوس ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ اس لازوال دولت سے اعراض کی مجرم ٹھہرتی ہے۔ جو قوم کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے۔ جو قوم کی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے۔ اور جس کی ہمہ گیر ہر دلعزیزی کے بغیر قوم کی برتری کا خانہ بے چراغ

قابلِ فخر استقامت: چودھری صاحب مرحوم فکر و تدبر، اخلاص و ایثار اور ہمت و عزیمت کا ایک عجیب غریب پہلو تھے۔ ان کا جسم خلقاً بھی کمزور تھا۔ پھر قومی خدمت کے شدائد نے ان کی صحت تباہ کر ڈالی۔ انہیں تنفس کا دورہ شروع ہوتا تھا تو زندگی کے لالے پڑ جاتے تھے۔ تاہم انہوں نے خدمت کے میدان سے حیاتِ مستعار کے آخری سانس تک ایک لمحے کے لئے بھی کنارہ کشی گوارا نہ کی۔ وہ برسوں خلافت اور کانگریس میں رُوحِ رواں بنے رہے۔ ترکِ موالات کے دوران میں ہزاروں افراد ان کے رفیق تھے۔ ان میں سے بہتیرے تھے جو تحریک کی گرم جوشیوں میں افسردگی پیدا ہوتے ہی اپنے سابقہ مشاغل میں مصروف ہو گئے یا انہوں نے معاش کے لئے نئے وسائل اختیار کر لئے اور چھوٹی سی جماعت باقی رہ گئی تھی۔ جو پہلے کی طرح جہادِ آزادی کے مسلک پر قائم رہی۔ مثلاً شیخ حسام الدینؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا عبدالقادر قصوریؒ، خواجہ عبدالرحمٰن غازیؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، چودھری عبدالعزیز بیگووالیؒ یا ایسے ہی دُوسرے افراد۔ انہی میں سے ایک چودھری صاحب بھی تھے جنہوں نے ابتداء میں قربانی کا جو فیصلہ کیا تھا اس پر برابر قائم رہے۔ ان کے ساتھ مجاہد رضاکاروں کی ایک جماعت تھی تاہم اس چھوٹے سے گروہ نے مختلف قومی، جماعتی اور مذہبی تحریکوں میں جو کارنامے انجام دیئے، ان کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ چودھری افضل حق مرحوم کو تمام سرگرمیوں کی تنظیمات میں ممتاز حیثیت حاصل رہی۔ وہ بسترِ علالت پر بھی ہوتے تو برابر غور و فکر اور بحث و مشورہ میں مشغول رہتے اور ان کی طرف سے ضروری ہدایتیں مسلسل جاری ہوتی رہتیں۔ جب مختلف قومی تحریکوں میں کشمکش و انتشار پیدا ہوا تو دسمبر ۱۹۲۹ء میں اسی مختصر گروہ نے جماعت احرار کی بُنیاد رکھی۔ اس جماعت کے بعض افکار و اعمال یا فیصلوں سے کسی کو کتنا ہی اختلاف رہا ہو لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ مسلمانوں کی بہبود و سربلندی اور ملک کی آزادی کا نصب العین ہمیشہ احرار کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و محور رہا۔

پیکرِ اسلامیت: چودھری صاحب مرحوم کی بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو بظاہر شائد متضاد معلوم ہوں یا ان کی اہمیت کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔ مثلاً وہ آزادی کی تحریک میں ہر جماعت سے دلی تعاون کے حامی تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان آزادی کے جہاد میں علمدار کی حیثیت اختیار کریں۔ اس کے ساتھ وہ شانِ اسلامیت کی بحالی میں اس درجہ سرگرم تھے کہ انہیں اس بارے میں "متعصب" قرار دینا بھی شائد غلط نہ ہو۔ وہ تبلیغ کے پرجوش حامی تھے۔ اسلامیت سے شیفتگی ان کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ لیکن وہ نظامِ اسلام پر عمل پیرائی کو اسلامیت

فرار

سمجھتے تھے محض نعروں کو اُنہوں نے کبھی مستحق توجہ نہ سمجھا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ اسلام کا سیاسی اور اقتصادی پروگرام اختیار کرنا چاہیئے۔ ضروری ہے کہ اسلامی مساوات قائم ہو۔ مسلم یا غیر مسلم پر ظلم کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ بحیثیت انسان سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں۔ جس معاشرے میں سیاسی اور اقتصادی مساوات نہ ہو۔ جہاں غریب نان و نفقہ کے محتاج ہوں۔ وہ اسلامی معاشرہ نہیں ہوسکتا۔ ان کے نزدیک اسلام ایک عالمگیر تحریک تھا۔ جو زبان و مکان کے قیود سے بالاتر ہے۔ اسلام دُنیا میں ایسی حکومت قائم کرنے کے لئے آیا تھا۔ جس کی بنیاد راست بازی، خوش اخلاقی، عدل و انصاف اور اِنسانوں کی برابری پر ہو۔ اسی کا دوسرا نام حکومتِ الٰہیہ اور خلافتِ ربّانی ہے۔ اِن اشارات کی سچائی اور گرانمائیگی سے کسے اختلاف ہوسکتا ہے؟ اِسلام یقیناً عالمِ انسانیت کے ہر روگ کی حتمی دوا ہے۔ لیکن اگر کسی دوا کو شیشی یا ڈبیہ میں بند رکھا جائے اور استعمال نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی بھی بیماری کا ازالہ نہ ہو سکے گا۔

حُقّے سے نفرت: چودھری صاحب مرحوم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ "حُقّہ نوشی" کے سخت مخالف تھے۔ اور ایک موقع پر تو اُنہوں نے تمباکو کے خلاف جہاد کو ایک اہم مقصد قرار دے لیا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: "حُقّہ نوشی" انسان کو بیکار کر دیتی ہے۔ "حُقہ نوش" قوم کے نزدیک وقت اور محنت کی کوئی قدر نہیں رہتی۔ ذرا "حُقّہ نوش" مزدور کو عمارت کے کام پر لگا کر دیکھ لو تمہیں خود اس بیان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔
وہ کہا کرتے تھے کہ سکھ زمینداروں کو دیکھو بہت تڑکے ہل چلانا شروع کرتے ھیں اور دوپہر تک برابر لگے رہتے ھیں۔ لیکن مُسلمان زمیندار کی یہ حالت ہے کہ تھوڑی دیر ہل چلایا پھر حُقّہ پینے لگے۔ وہ سکھ زمیندار کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ھیں۔

محترّم قومی مجُاھد: غرض چودھری صاحب بڑے ہی قابلِ قدر رہنما اور حد درجہ واجب الاحترام قومی مجاہد تھے ایسے جلیل القدر افراد قوموں میں روزانہ پیدا نہیں ہوتے۔ بلکس حد درجہ سادہ۔ رہن سہن حد درجہ سادہ حسنِ اخلاق کا یہ عالم کہ چھوٹا ہو یا بڑا سب سے انتہائی دلجمعی کے ساتھ باتیں کرتے تھے۔ ہر شخص کی بات سُنتے۔ خواہ وہ ان کا کتنا ہی مخالف ہوتا۔ کبھی کسی اختلاف پر ناراض نہ ہوتے کبھی کسی سے ذاتی تعلقات میں فرق نہ آنے دیا۔ اگرچہ اِس کا دائرہ عمل کتنا ہی مختلف ہوتا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی ہی پُرخلوص زندگی بسر کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

(منقول از روزنامہ "آفاق" - لاہور
۲ فروری ۱۹۵۷ء)

مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ

تاریخ ہائے وفات

چودھری افضل حق آں مردِ خدا واحسرتا
گردید رودِ ایں جہاں چوئے بوئے گل گلزار را
زیں جہانِ رنگ و بوئے سوئے فردوسِ بریں
ناگہاں بردند آخر قائدِ احرار را
بہرِ تاریخِ وفاتش بر درِ ہاتف شدم
از زباں آمد بروں آں واقفِ اسرار را
تیغِ جلادِ اجل بے پا و سر کرد است حیف
رحم، استقلال، ہمت، حریت، ایثار را

۱۳۶۰ھ

افضل حق از جہانِ فنا سوئے خُلد رفت
در بست و یک زماہِ دہ و دو عزیزِ من
از مردنش عدالت و حکمت ز پا فتاد
وز رفتنش شجاعت و عفت شکستہ تن
تاریخِ مرگِ او ز عظامی شنو کہ آں
رفت از جہاں امام سیاست، بگفتہ سن

۱۳۶۰ھ

(مولانا عظامی)

امیرِ لشکرِ احرار افضل حق را
روانِ پاک برفتہ بسوئے دار قرار
ز بہرِ حال بگوشش سعید گفت سروش
کہ نزدِ میرِ عرب داست کارواں سالار
۱۳۶۰ھ سید احمد اعظمی

چودھری افضل حق آں مردِ خدا واحسرتا،
گردید رود ایں جہاں چوں بوئے گل گلزار را
زیں جہانِ رنگ و بوئے سوئے فردوس بریں
ناگہاں بردند آخر قائدِ احرار را
بہرِ تاریخ وفاتش بر درِ ہاتف شدم،
آہ از لب برکشید و لب کشاد اظہار را
تیغِ جلادِ اجل چوں بے سر و پا کرد حیف
حریت، اخلاص، استقلال تا ایثار را

۱۹۴۳ — ۱ = ۱۹۴۲ء (عظامی)

چو رفتہ زیں غلام آبادِ ہند از شوقِ آزادی
سوئے دارالبقا آں واقفِ اسرار "افضل حق"
رُفیق از بہرِ لوحِ تربت او ایں رقم کردم
"مزارِ جانِ ملک و قائدِ احرار" "افضل حق"
۱۹۴۲ء
(رُفیق امروہوی)

بہ عالمِ پاک کرد رحلت رئیس احرار افضل حق
کہ بندۂ بود پاک گفتار، پاک کردار، پاک طینت
زہے امیر فقیر سیرت کہ ہمنوا بود با گدایاں،
خوشا فقیرے بلند ہمت کہ با شہاں داشتہ رقابت
چہ غمگسارے کہ یک حدیثش ربودہ غم از دلِ رفیقاں
چہ ہم صفیرے کہ یک نوائیش بہ ہمرہاں داد درس ہمت
چہ نکتہ دانے کہ خامۂ او نگاشتہ حرفِ زندگی را
بہ دل نشیں طرزِ خوشش بیانی بہ خوش تریں شیوۂ فصاحت
وداع جاں کرد در ستائش چو فکرِ سال وفات کردند
ندائے از غیب آمدہ۔ آہ امام احرار کرد رحلت

۱۳۶۰ ھ

(صوفی غلام مصطفےٰ تبسم)

خمخانۂ احرار

یہ نظم مولانا ظفر علی خانؒ نے مفکر احرار چودھری افضل حق کی وفات پر لکھی تھی:۔

رونق کا شاخانۂ ابرار افضل حق سے تھی
مستیٔ خمخانۂ احرار افضل حق سے تھی

اک کرشمہ تھا یہ اُس کی ہمت مردانہ کا
لرزہ براندام اگر سرکار افضل حق سے تھی

ذرہ ذرہ کہ رہا ہے وادیٔ کشمیر کا
کامیاب احرار کی یلغار افضل حق سے تھی

ہے گواہ اس پر کتاب زندگی کی سطر سطر
شوخیٔ و رنگینیٔ افکار افضل حق سے تھی

اس کی مرگِ ناگہاں گھر کو نہ لے بیٹھے کہیں
کیونکہ پشتیبانیٔ دیوار افضل حق سے تھی

ساحر لدھیانوی

افضل نہیں اربابِ وطن میں

مت سوچ کہ افضل نہیں اربابِ وطن میں
یہ دیکھ فضا شعلہ فشاں ہے کہ نہیں ہے

جو آگ سلگتی رہی اس شیر کے دل میں
اس آگ سے ہر روح تپاں ہے کہ نہیں ہے

بیزار غلامی سے ہیں روحیں کہ نہیں ہیں
سرکش سا ہر اک پیر و جواں ہے کہ نہیں ہے

بجلی سی ہر اک ذہن کے آئینہ میں رقصاں
شعلہ سا ہر اک دل میں نہاں ہے کہ نہیں ہے

پھیلے ہوئے طبقات کی بڑھتی ہوئی تنظیم
آزادیٔ عالم کا نشاں ہے کہ نہیں ہے

جس دیس میں سانسوں پہ بھی تعزیر تھی اک دن
وہ شعلہ و صرصر کا جہاں ہے کہ نہیں ہے

بیدار جوانوں کی نگاہوں کا تمسکن
ناموسِ وطن کا نگراں ہے کہ نہیں ہے

حفیظ رضا پسروری

رازدانِ زندگی

افضل حق رازدانِ زندگی
افضل حق ترجمانِ زندگی
افضل حق رونقِ بزمِ حیات
افضل حق حریت کی کائنات
اس نے توڑا آمریت کا فسوں
اس نے کچلا بربریت کا جنوں
وہ رہا جاں دادۂ انسانیت
رہنمائے جادۂ انسانیت
اس کا دل دردِ وفا سے چُور تھا
پاسبانِ عظمتِ جمہور تھا!
آرزوؤں کو دیا اس نے شباب
اس نے بخشا ہم کو ذوقِ انقلاب

دل کو غم سے آشنا اس نے کیا
غم کو پابندِ وفا اس نے کیا
وہ سراپا جذبۂ ایثار تھا!
گرمیٔ ہنگامۂ احرار تھا!
اس نے گرمایا جوانوں کا لہو!
اس نے رکھ لی حریت کی آبرو
راہِ حق میں عزم تھا اس کا اٹل
یعنی تھا وہ پیکرِ حُسنِ عمل
اس نے ملت کو دیا پیغامِ نو
اور پلایا زندگی کا جامِ نو
جب الاپا اس نے آزادی کا راگ
لگ گئی افرنگ کے ایوان میں آگ

افضل حقؒ

زندگی تو نے بسر بے سروساماں کی ہے
خدمتِ قوم و وطن تا حدِ امکاں کی ہے
یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں تو نے پیہم
شمعِ حریتِ افکار فروزاں کی ہے

محمد وارث کاملؔ

تری حیات کے تاروں کی جگمگاہٹ سے
غیور خون کی بوندیں ٹپکتی رہتی ہیں
ترے خیال میں بستے ہوئے ارادوں نے
بندگی کے سلاسل کو کاٹ ڈالا ہے
ترے قلم سے تڑپتے ہوئے حسیں نغمے،
ذہنِ اقوام کے اوراق بدل دیتے ہیں،

منصور قیصرؔ

افضل حق

انسانی عظمت

وہ چلا مہیب ولولوں کے ساتھ
آندھیوں کے ساتھ، زلزلوں کے ساتھ
گونجتے گرجتے بادلوں کے ساتھ
وہ چلا تو حادثات رُک گئے۔

وہ اٹھا بلندیوں کا رازداں،
روحِ گلستاں، بہارِ بوستاں،
اس کے پاؤں ہیں زمینِ کہکشاں،
وہ اُٹھا تو آسماں جُھک گئے

غم نہ کھا کہ بات رات بھر کی ہے
یہ سیاہ رات رات بھر کی ہے
جان لے کہ بات رات بھر کی ہے
شاطروں کی چال دیکھتا ہے تو

دیکھ انتہائے رہ گذار تک
آسماں سے دُور، اُفق کے پار تک
رنگ لائے گا لہو بہار تک
غازۂ سحر ہے رات کا لہُو

(سیف الدین سیف)

سیاسی عظمت

تری نظروں کی باطل سوز بجلی،
تری گفتار کی مشعل فضا میں
شعاعِ طور کو شرما رہی ہے
ازل کی روشنی پھیلا رہی ہے

قسم کھا کر ترے عزمِ جواں کی
ترے سانسوں سے اذنِ زیست لے کر،
نئی تاریخ کروٹ لے رہی ہے
ہوا ملّت کی کشتی کھے رہی ہے

ترے کردار کی عظمت کا بادل،
کہ سوکھی کھیتیوں کے خشک لب پر
پیامِ شادمانی لا رہا ہے
امیدوں کا تبسم آ رہا ہے

اُفق کا دل نشیں گھونگھٹ اٹھا کر
غلامی کو پیامِ موت دینے
نیا سورج ہویدا ہو رہا ہے
نیا انسان پیدا ہو رہا ہے

سید عبدالحمید عدم

احسان دانش مرحوم

غمِ افضل حق رح

جب سے وہ میرِ کارواں نہ رہا — کارواں رہ پر رواں نہ رہا
احمدِ مصطفےٰ کی الفت میں — برقِ گفتار و خامہ راں نہ رہا
کون زندانیوں کا غم کھائے — کوئی زنداں کا ترجماں نہ رہا
ایک موقف کہ تھا بلند و حسیں — استوار و اثر رساں نہ رہا
بے زباں مسجدوں کے مشہد کا — مرثیہ کار و نوحہ خواں نہ رہا
دردِ کشمیر سے جو تھا بیتاب — وہ سکونِ خواہِ خستگاں نہ رہا
شاہ صاحب[1] ضعیف و دور زبوں — اس پہ وہ بازوئے جواں نہ رہا
جس طرف چل پڑے ہیں دیوانے — ان زمینوں پہ آسماں نہ رہا

جس سے زندہ تھی روحِ میخانہ
وہی رندوں کے درمیاں نہ رہا

---

[1] حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت طاہر شادانی

رونقِ ہنگامۂ احرار

کبھی تھا رونقِ ہنگامۂ احرار افضل حق
تھا باطل کے لیئے اِک تیغِ بے زنہار افضل حق
وہ فکر و آگہی کا گلشنِ بے خار افضل حق
مزاجب تھا کہ ہوتے قوم میں دوچار افضل حق
محبت کو دیا اشکِ سحرگاہی کا نم اس نے
کیا اہلِ نظر کو واقفِ رازِ حرم اس نے
جگر کے خون سے لکھی کتابِ زندگی اس نے
پلائی تشنہ کاموں کا شرابِ زندگی اس نے
اُجالا زندگی میں آفتابِ زندگی اس نے
بتائی قوم کو تعبیرِ خوابِ زندگی اس نے
سماجی زندگی میں روح اس کی بیکراں ہوکر
ہوئی تحلیل لفظوں میں سرودِ جاوداں ہوکر
ادب پاروں میں اس کے برقِ خرمن سوز ہے پنہاں
تڑپتا کروٹیں لیتا ہوا اِک دردِ بے پایاں
محبت اس کی عالمگیر، اس کا غم غمِ انساں
غلامی کی شبِ دیجور کا وہ اک مہ تاباں
جبیں سے اس کی برسے ہر طرف انوارِ آزادی
دیا اس نے دلوں کو جذبۂ سرشارِ آزادی
وہ نغمہ سازِ آزادی پہ گایا دمبدم اس نے
دیا اہلِ وطن کو عظمتِ رفتہ کا غم اس نے
مصائب اس پہ ٹوٹے پے بہ پے جھیلے ستم اس نے
جہادِ حریت کا رکھ لیا آخر بھرم اس نے
وہ جس نے حق کی خاطر قید کی سختی سہی برسوں
سمایا روح میں اکثر درائے کارواں ہو کر
تو ابھرا وہ دلوں میں نغمۂ بانگِ اذاں ہو کر
رہا وہ بزم میں نورِ نگاہِ دوستاں ہو کر
تو نکلا رزمِ آزادی میں شمشیرِ وسناں ہو کر
دبی ہرگز نہ فطرت اس کی جبرِ حاکمیت سے
کہ دب جانا تو کوسوں دور تھا اس کی جبینت سے
سمویا اپنی تحریروں میں کچھ ایسا گداز اس نے
غمِ دوراں کو آخر کر دیا گردن فراز اس نے
کیا اہلِ نظر کو رازدانِ سوز و ساز اس نے
تو بخشا اہلِ دل کو دیدۂ معنی طراز اس نے
رخِ جبینِ زندگی پر ثبت ہے نقشِ دوام اس کا
بلندی میں ثریا سے بھی اونچا ہے مقام اس کا
قفس میں داستانِ حریت جس نے کہی برسوں

علامہ انور صابری مرحوم

بیادِ افضل حق

آج پھر آئی مجھے مرحوم افضل حق کی یاد
بن کے آنسو آنکھ سے دل کا لہو آنے لگا

میرا افسانہ سنا کر زندگی کے ساز پر
پھر کوئی احرار کی تاریخ دہرانے لگا

پھر چلا کشمیر کی جانب کوئی دیوانہ وار
پھر کوئی رازِ عروجِ عزم سمجھانے لگا

پھر کوئی لاہور کی خونیں فضا کو دیکھ کر
موت کو بھی زندگی کی راہ دکھلانے لگا

پھر پشاور کے حیات افروز دل ماحول میں
گرم نغموں سے فضائے بزم گرمانے لگا

پھر الٹ کر روئے استعمار سے کوئی نقاب
مفلسوں کو مسندِ شاہی پہ بٹھلانے لگا

پھر کوئی اپنی فقیرانہ ادائے خاص سے
راگ بزمِ سرورِ کونین کے گانے لگا

پھر ہوا انور مجھے احساسِ یادِ رفتگاں
پھر مرا دل اضطرابِ غم سے گھبرانے لگا

نرخنامہ اشتہارات

ٹائیٹل کا آخری صفحہ سالم =/۱۰۰۰ روپے
ٹائیٹل دوسرا اور تیسرا صفحہ =/۸۰۰ روپے
عام صفحہ (سالم) =/۳۰۰ روپے
" " (۱/۲) =/۲۰۰ روپے
" " (۱/۴) =/۱۰۰ روپے

مستقل معاونین کے لئے
خصوصی رعایت ہوگی

نقیب ختم نبوت

حضرت اختر ہوشیارپوری

نوجوانوں کی رگوں میں برق سی دوڑا گیا

ہو گئیں خالی دُرِ مکنوں سے داماں ہو گیا
خاک کے پردے میں گنجِ قوم پنہاں ہو گیا
آئینے ٹوٹے پڑے ہیں، انجمن خاموش ہے
خطۂ پنجاب اک اجڑا ہوا آغوش ہے
سرد ہے جسمِ وطن، روحِ سیاست بجھ گئی
نبض ساکت ہے کہ قندیلِ بصیرت بجھ گئی
آہ افضل حق، وہ فخرِ ملک و ملت ہے خموش
رُک نہ جائے گردشِ گیتی کہ فطرت ہے خاموش
زندگانی بھر جو درسِ زندگی دیتا رہا
ناؤ ملت کی جو طوفانوں میں بھی کھیتا رہا
خود تڑپ کر اک سرے سے سب کو جو تڑپا گیا
نوجوانوں کی رگوں میں برق سی دوڑا گیا
آہ وہ مردِ خدا، دیوانۂ قیدِ فرنگ
زندگی جس کی تھی اک افسانۂ قیدِ فرنگ
وادیٔ کشمیر کا ہر ذرّہ ہے اس پہ گواہ
کس قدر دنیا میں گردوں گیر تھی اس کی نگاہ
وہ تدبّر، وہ تفکّر، وہ خلوصِ باوقار،
تھا گلستانِ خزاں دیدہ کو پیغامِ بہار
بارہا الجھا وہ آفات و بلا کے جال میں،
آئی لغزش تک نہ اس کے پائے استقلال میں
آندھیاں لاکھوں اٹھیں طوفان لانے کے لئے
ہند کی قندیلِ آزادی بجھانے کے لئے
اپنے خون سے اس کو لیکن وہ جلاتا ہی رہا
دم بہ دم، لحظہ بہ لحظہ کو بڑھاتا ہی رہا
راستہ کی مشکلوں سے جب وہ بیدم ہو گیا
موت کی محراب میں گردن جھکا کر سو گیا
پھول کیسے، خشک ہر ڈالی رہے گی مدّتوں
سچ تو یہ ہے، یہ جگہ خالی رہے گی مدّتوں

رونقِ کاشانۂ ابرار

رونقِ کاشانۂ ابرار افضل حق سے تھی
مستی خمخانۂ احرار افضل حق سے تھی
اک کرشمہ تھا یہ اس کی ہمّتِ مردانہ کا
لرزہ براندام اگر سرکار افضل حق سے تھی
ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے وادیٔ کشمیر کا
کامیاب احرار کی یلغار افضل حق سے تھی
ہے گواہ اس پر کتابِ "زندگی" کی سطر سطر
شوخی و رنگینیٔ افکار افضل حق سے تھی،

(مولانا ظفر علی خانؒ)

شریف جالندھری

ترے بغیر بخاریؒ ہے سوگوار

تیری صدا سے ملک خبردار ہو گیا — ہر اک جوان خواب سے بیدار ہو گیا
راہِ خدا میں لڑنے کو تیار ہو گیا — ہر عزمِ تازہ گویا کہ تلوار ہو گیا
افضل ترے خلوص پہ قربان ہو گئے
تیری صدا سے زندہ مسلمان ہو گئے

تیرا کلام عشقِ خودی کا کلام تھا — تیرا پیام درسِ خودی کا پیام تھا
افضل تیرا پیام خودی کا پیام تھا — رہبر تھا قوم کا تو نبیؐ کا غلام تھا
تو نے دلوں کو جذبۂ بے باک دے دیا
شاعر کو تو نے سینۂ صد چاک دے دیا

تیری حیات کیا تھی دلیلِ حیات تھی — تیری حیات کیا تھی غمِ کائنات تھی
تیری حیات عینِ رہینِ ثبات تھی — جو موت سے نڈر تھی فقط تیری ذات تھی
تو نے فرنگیوں کو بھی مجبور کر دیا
تو نے نگاہِ غیر کو بے نور کر دیا

تیرا خیال اوجِ ثریا پہ گامزن — تیری وفا کے پھول کھلے ہیں چمن چمن
آزادی کمال سے گونجے دمن دمن — تیرا عمل وطن کے شہیدوں کا ہے کفن
احرار تیرے نام کا ڈنکا بجائیں گے
قدموں پہ اپنے وقت کی گردن جھکائیں گے

تیرا قلم تھا واقفِ اسرار روزگار — پرواز تیرے فکر کی جوں موسمِ بہار
تیرا خطاب جیسے کہ بہتا ہو آبشار — افضل ترے بغیر بخاری ہے سوگوار
تو کیا گیا کہ محفل ویراں میں آ گئے

حلقۂ احباب

مکرمی جناب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! کافی عرصہ سے "نقیب ختم نبوت" اور "حق چار یار" کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ لیکن میں اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ "نقیب" کے مضامین دلائل کی قوت سے مالا مال ہوتے ہیں جن کا جواب آج تک "حق چار یارؓ" کے کارپرداز نہیں دے سکے۔

مجھے "نقیب" کے مطالعے اور پھر قاضی مظہر حسین کی اپنی تحریر سے معلوم ہوا کہ موصوف اخلاق کے قاتل تو تھے ہی مگر ایک انسان کے قاتل اور سزا یافتہ قیدی بھی ہیں (بحوالہ کشف خارجیت از قاضی مظہر حسین ص۱۰۸) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ان کی سوقیانہ تحریریں ناقابلِ معافی ہیں، اپنی بدبودار تحریروں کو اکابر کے لئے ڈھال کے طور پر پیش کرنا اور اصحاب رسولؐ پر افترا بازی کرنا ان کی سُنّی نما شیعیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

"حق چار یار" کے ایک شمارے میں قاضی مظہر نے امیر یزید کی ذات پر بدا عمالیوں کی ایک طویل فہرست جاری کی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ تاریخی طور پر ان الزامات کا حقیقت سے اتنا بھی تعلق نہیں جتنا قاضی مظہر کا شرافت سے، اگر قاضی موصوف صحابہؓ دشمنی سے باز نہ آئے تو ان کی خود ساختہ مشیخیت کا پردہ چاک کرنے کے لئے ان کے مکتوباتی معرکوں کی وہ داستان بھی سامنے لائی جاسکتی ہے۔ کہ جس کا تصور ہی شرافت کو مرجھا دینے کے لئے کافی ہے۔ اور یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب ان کے علم و عمر دونوں پر شباب تھا۔

چکوالی فتنہ کے کامیاب تعاقب پر ادارۂ نقیب کو ڈھیروں مبارک باد!

والسلام !

غلام اللہ خان حسینی سلانوالی (ضلع سرگودھا)

مخدومی حضرت شاہ صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"نقیب ختم نبوت" باقاعدگی سے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ آپ کی باتیں خدا لگتی بھی ہوتی ہیں اور دل لگتی بھی اس لئے دل سے آپ کے لئے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں۔ خصوصاً ناقدینِ صحابہؓ کے موجودہ گروہ کے بہروپ کو جس طرح آپ نے بے نقاب کر دیا ہے اور چکوالی سامری کے "طلسم اکابری" کو آپ نے توڑا ہے، یہ

آپ ہی کا حصہ ہے۔ خود ہمارے ماحول میں جس طرح "نقیب ختم نبوت" کی اس جہدِ بلیغ اور سعی محمود کے اثرات اتنی شدت محسوس کئے جا رہے ہیں گویا سینوں کو کسی نے سرتے سے اٹھا دیا ہو۔

بندہ خود "حق چار یار" کے نعرے کو پہلے اچھا سمجھتا تھا لیکن جھاٹکر (تحصیل تلہ گنگ) کی سالانہ سنی کانفرنس (۹۰ء) کی آخری نشست سے خطاب کرتے ہوئے مشہور مقرر مولانا سلیمان طارق صاحب نے دوران خطاب سامعین سے دریافت فرمایا کہ حضور پاک کے کتنے یار ؟ تو مجمع سے آواز بلند ہوئی "چار یار"! مولانا نے اپنا سوال تین چار بار دہرایا لیکن مجمع کا یہی جواب تھا۔۔۔۔ چار یار! تب مولانا نے فرمایا کہ کیا چار کے علاوہ باقی صحابہ حضور پاک کے دشمن ہیں؟ کیا وہ حضور کے یار نہیں؟ دوست نہیں (معاذ اللہ)؟ بس اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس نعرہ کی وبا نے عوام کو کہاں لا کھڑا کیا ہے؟ یہ سنیت نہیں سبائیت کا جدید ایڈیشن ہے الحمد للہ کہ عوام خود سوچنے پر مجبور ہو رہے ہیں اور ایمان کی فکر عام ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور "نقیب" کے جملہ سرپرست و معاون حضرات کے علم، عمر اور عمل میں برکت عطا فرمائے!

فقط محتاجِ دُعا، ملک محمد اشفاق تلہ گنگ، ضلع چکوال)

مکرم و محترم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

نقیب ختم نبوت کا ہر ماہ باقاعدگی سے مطالعہ کرتا ہوں، اپنے حلقۂ احباب کے علاوہ کئی دوستوں کو بھی مطالعہ کی دعوت دیتا ہوں۔ نقیب میں شامل تحقیقی اور اچھوتے مضامین اس قدر پُر لطف اور پُر مغز ہوتے ہیں کہ کسی بھی دوست کو پیش کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور نہ ہی پیش کرنے کے بعد دوستوں کے سامنے ندامت ہوتی ہے اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مضامین علمی ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتے ہیں جو بھی پڑھتا ہے نقیب کا اسیر ہو کر مستقل خریدار بن جاتا ہے۔ "دل کی بات" حقیقتاً صدائے دل ہے۔ "زبان میری ہے بات ان کی" قارئین کی دلچسپی اور تفریح طبع کا بہترین سامان ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدین مدظلہ کے خصوصی مقالہ کا شدت سے انتظار ہے۔ نقیب میں شائع ہونے والے ان کے دونوں خطوط (دشمنانِ صحابہؓ، چکوالی فتنہ) کی جمگادڑوں اور چمگادڑوں پر گرزِ البرز شکن ثابت ہوئے ہیں۔ دشمنانِ صحابہؓ کے محاسبہ و تعاقب کا یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ اس سے مسلمان، اہل سنت میں گھسے ہوئے رافضیوں اور باطنیوں سے خبردار ہوں گے۔

نقیب کے مطالعہ سے میری اور میرے حلقۂ احباب کی بہت سی ذہنی الجھنیں دور ہوتی ہیں خصوصاً

عظمت وناموس ازواج واصحابِ رسول علیہم الرضوان کے بارے میں فکر ونظر کو جلا اور عقیدہ وایمان کو تقویت ملی ہے اور اُن نفوسِ قدسیہ کے ساتھ دل میں والہانہ محبت پیدا ہوتی ہے۔ پہلی بار میرے مُطالعہ میں یہ بات آئی کہ تمام اصحابِ رسول علیہم الرضوان نسبت صحابیت کے اعتبار سے برابر ہیں لیکن قبولِ اسلام میں سبقت لے جانے، ایثار وقربانی، ذاتی کمالات وصفات اور انفرادی صلاحیتوں کے اعتبار سے ہر کسی کا اپنا اپنا مرتبہ ہے۔ اسی طرح محدثین وفقہاء نے بھی صحابۂ کرام کو انہی نسبتوں اور منفرد کارناموں کے اعتبار سے مختلف مراتب میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہ تقسیم بھی انہوں نے از روئے قرآن وحدیث کی ہے اپنی طرف سے نہیں۔ مثلاً نبی علیہ السلام نے فرمادیا کہ ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ میں افضل ہیں۔ اسی طرح دوسرے کئی ممتاز صحابۂ کرام کے بارے میں بھی آپ علیہ السلام کے مختلف تعریفی ارشادات ملتے ہیں۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ عام صحابہ میں وہ صلاحیتیں موجود نہ تھیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سیدنا صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی المرتضیٰ، حسن مجتبیٰ، امیر مُعاویہ اصحابِ عشرہ مبشرہ اور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اپنے کارناموں، قابلیت اور صلاحیتوں کے اعتبار سے جماعت صحابہ میں منفرد وممتاز تھے اسی طرح مذکورہ صحابۂ کرامؓ میں بھی تمام ایمانی صفات وخصوصیات موجود تھیں لیکن ان میں ہر کوئی کسی نہ کسی صفت و خصوصیت میں ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔ اور یہ سب تقسیم وامتیاز اللہ کے تکوینی امور کے تحت ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں امت کے لئے نظیر قائم کرنا مقصود تھی۔

میں کچھ عرصہ پہلے چکوالی فتنہ کے باطنی اور رافضی نماسنیوں کے لاہور سے شائع ہونے والے ماہواری چیتھڑے کا مطالعہ بھی کرتا تھا لیکن اسے پڑھ کر صحابۂ کرام پر تنقید کے خالص ابلیسی اور رافضی خیالات دل میں ابھرتے کیونکہ اس فرقۂ ضالہ کے مدار المہام، پیروکار اور اعوان وانصار امیر المؤمنین خلیفۂ ششم عادل وراشد سیدنا مُعاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرتے ہیں ـــــ گالیاں بکتے ہیں اور انہیں خلیفۂ راشد تسلیم نہیں کرتے۔ جب سے نقیبِ ختم نبوت کا مطالعہ شروع کیا ہے کیفیت واحوالِ دل بالکل مختلف ہوگئی ہے۔

میں نے اس فرقۂ ضالہ کے فاسقوں، فاجروں اور گمراہوں سے کہا ہے کہ اللہ نے تمام صحابہؓ کو فرمادیا ہے رضی اللہ عنہم، اور نبی علیہ السلام کا تمام صحابہ سے متعلق ارشادِ گرامی ہے اصحابی کالنجوم

لیکن تمہاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ صحابۂ کرام سے

جب اللہ رسول ہو گئے راضی — اب کیا کرے گا قاضی

چکوال کے باطنی رافضی نماسنیوں کے خیالات سن کر اور پڑھ کر قرآنِ کریم کی یہ آیت سمجھنے میں بہت آسانی ہوئی کہ "ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم

یہ لوگ سب کچھ پڑھنے کے با وجود مقامِ ازواج واصحابِ رسول علیہم الرضوان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں **اولاً** یہ لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں اور جہالت ان پر ناز کرتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ جذبۂ جہالت میں سرشار رہتے ہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا وسعتِ مطالعہ، حدودِ اربعہ اور پہچان محض جہالت ہے **ثانیاً** یہ لوگ ذہناً غلیظ ہیں۔ اور مطالعہ تاریخ کے دوران غلاظت پسند مکھی کی طرح ان کی نظر صرف انہی گندے چھینٹوں پر ہی پڑتی ہے جو کسی سبائی اور رافضی نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلاف صحابۂ کرامؓ کے دامن پر اڑائے ہیں۔

میں قاضی مظہر چکوالی سے کہوں گا کہ وہ مقام صحابۂ کرام تاریخ کی عینک اتار کر قرآن وحدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں، یہی وہ نورِ حقیقی ہے جو اندھوں کو بینا کرتا ہے قاضی چکوالی کو تاریخ کے سہارے صحابۂ کرام کی کردار کشی کرنے سے پہلے اپنے "کردار" کا بھی جائزہ لینا چاہیئے اور صرف اپنے ہی گریبان میں جھانکنا چاہیئے

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

والسلام:۔ عبد اللہ حسین ——— راولپنڈی

تحریک تحفظ ختم نبوت کی اہم پیشکش

● عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ردِ مرزائیت کے سلسلہ کی اہم کتابیں ● جن کی اشاعت سے قادیانی ایوان لرز اٹھے
● کفر وارتداد اور بے دینی کے اس معاشرے میں ان کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

● مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں (مفتی محمد حسن نہ عیمی) ۱۸/ روپے ● قادیان سے اسرائیل تک جناب ابو مدثرہ ۴۰/ روپے
● قادیانیوں کو دعوت حق (مولانا محمد عبد اللہ) ۲۵/ روپے ● تائید آسمانی در رد نشان آسمانی مولانا محمد معظم صاحب ۵/ روپے
● اسلام اور مرزائیت (تقابلی مطالعہ) (مولانا محمد عبد اللہ) ۱۲/ روپے ● ردِ قادیانیت پر دس کتابچے ۱۰/ روپے

خصوصی رعایت

● کوئی ایک کتاب منگوانے پر ۲۰٪ رعایت ● مکمل سیٹ منگوانے پر ۳۳٪ رعایت اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت چھ ماہ کے لئے مفت جاری کیا جائے گا۔ ● ۵۰۰/ روپے کی کتب منگوانے پر ۴۰٪ رعایت اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت ایک سال کے لئے مفت جاری کیا جائے گا۔

نوٹ: رقم پیشگی ارسال کریں۔ کتاب رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کی جائے گی۔ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تبلیغ) **مجلس احرار اسلام پاکستان**
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون ۷۲۸۱۲

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے۔!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مسلمہ میں دینی مزاج اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے :

★ مدرسہ معمورہ ——— مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان ———

★ مدرسہ معمورہ ——— دار بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان فون : ۷۲۸۱۳

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ——— ناگڑیاں ضلع گجرات ———

★ جامعہ ختمِ نبوت ——— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر : ۸۸۶ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوت ——— سرگودھا روڈ ربوہ ———

★ دار العلوم ختمِ نبوت ——— چیچہ وطنی۔ فون نمبر : ۲۹۵۳ ———

★ مدرسہ ابو بکر صدیق ——— تلہ گنگ ضلع چکوال ———

★ یو کے ختمِ نبوت مشن ——— (ہیڈ آفس) گلاسگو برطانیہ ———

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو۔ دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا ہم کریں گے اور اجر اللہ پاک دیں گے — آئیے آگے بڑھیے اور اجر کمائیے

سید عطاء المحسن بخاری — مدیر مدارس التحفیظ والمساجد

دار بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان

ترسیلِ زر کے لئے : اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان

MONTHLY Ph :72813
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWAT
MULTA[N]
Regd. No L. 8755
Vol No- 2 No. 1

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

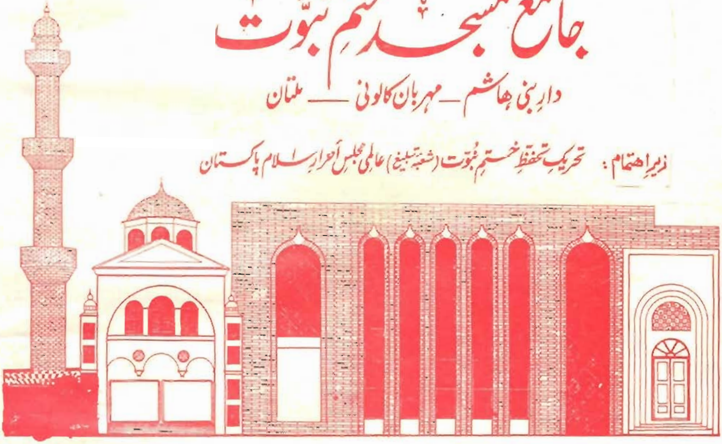

چھت مکمل ہو چکی ہے، بقیہ تعمیر میں بھرپور حصہ لیں، نقد و سامان
تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرمائیں۔

ترسیلِ زر کے لئے۔

ابن امیرِ شریعت سید **عطاء المحسن بخاری**

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون ۷۲۸۱۳

اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان